ماہنامہ
پیامِ تعلیم
نئی دلّی ۲۵

جون ۱۹۸۴ء جلد: ۱ شمارہ ۶

تل کے لڈو	عشرت رحمانی
سپنا سچ ہوگا (نظم)	ناوک حمزہ پوری
لالچی بوڑھا	احمد جمال پاشا
بتاؤ یہ کیا ہے (نظم)	حافظ باقوی
وہ کون تھا؟	سیّد محمود نقوی
دو شکاری	امتہ الرحمٰن محسنی
محنت کا پھل	شفیق عابد زاہدی
نیا ترانہ (نظم)	مومن خاں شوق
شمسی توانائی	شاداں پرویز
معصوم بچّی	عالیہ آصف
چوری کا انجام	رخسانہ حمیدی
موٹو اور چھوٹو	جاوید نہال حشمی

آدھی ملاقات. اِدھر اُدھر سے. گدگدیاں.
بچوں کی کوششیں. نتیجہ پیامی ادبی معمّہ ۶

ایڈیٹر : ولی شاہجہانپوری

قیمت: ۲/۵۰ روپے سالانہ ۲۰ روپے
غیر ممالک سے ۸۵ روپے

بچوں سے باتیں

اپریل کے مہینے میں ڈاکٹر اطہر پرویز کے انتقال پر ماتم کناں ہوئے۔ ابھی یہ زخم ہرا ہی تھا کہ ۲۶ اپریل کو ایک اور معروف مزاحیہ ادیب خواجہ عبد الغفور صاحب کے اچانک انتقال کی خبر نے ایک اور صدمہ پہنچایا۔ خواجہ صاحب مرحوم کو پیام تعلیم سے بھی دلچسپی تھی اور آپ نے پیام تعلیم کو اپنے دلچسپ مضامین سے نوازا بھی ہے۔ خواجہ صاحب مرحوم کی رحلت سے اردو ادب ایک اچھے مزاحیہ ادیب سے محروم ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔

جون کا شمارہ حاضر ہے اس شمارے میں بہت دنوں کے بعد احمد جمال پاشا صاحب نے ایک کہانی بھیجی ہے، امید ہے کہ آپ کو پسند آئے گی۔ سیّد محمود نقوی صاحب کئی ماہ کے بعد ایک انگریزی کہانی کا دلچسپ ترجمہ لائے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ یہ چیزیں آپ کو پسند آئیں گی۔ نظموں میں ناوک حمزہ پوری، حافظ باقوی اور مومن خاں شوق کی نظمیں آپ کو یقیناً پسند آئیں گی۔

جاوید نہال حشمی بڑی پابندی سے کارٹونی کہانیوں کے ذریعے آپ کی دل چسپی کا سامان فراہم کرتے ہیں۔ ہم آپ کی اور اپنی طرف سے حشمی صاحب کے شکر گزار ہیں اور اُمید کرتے ہیں کہ حشمی صاحب اس سلسلے کو جاری رکھیں گے۔

پرنٹر پبلشر سید احمد ولی نے مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کے لیے لبرٹی آرٹ پریس، پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی ۲ میں چھپوا کر جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا۔

بچوں کے ادیب
ڈاکٹر مظفر حنفی

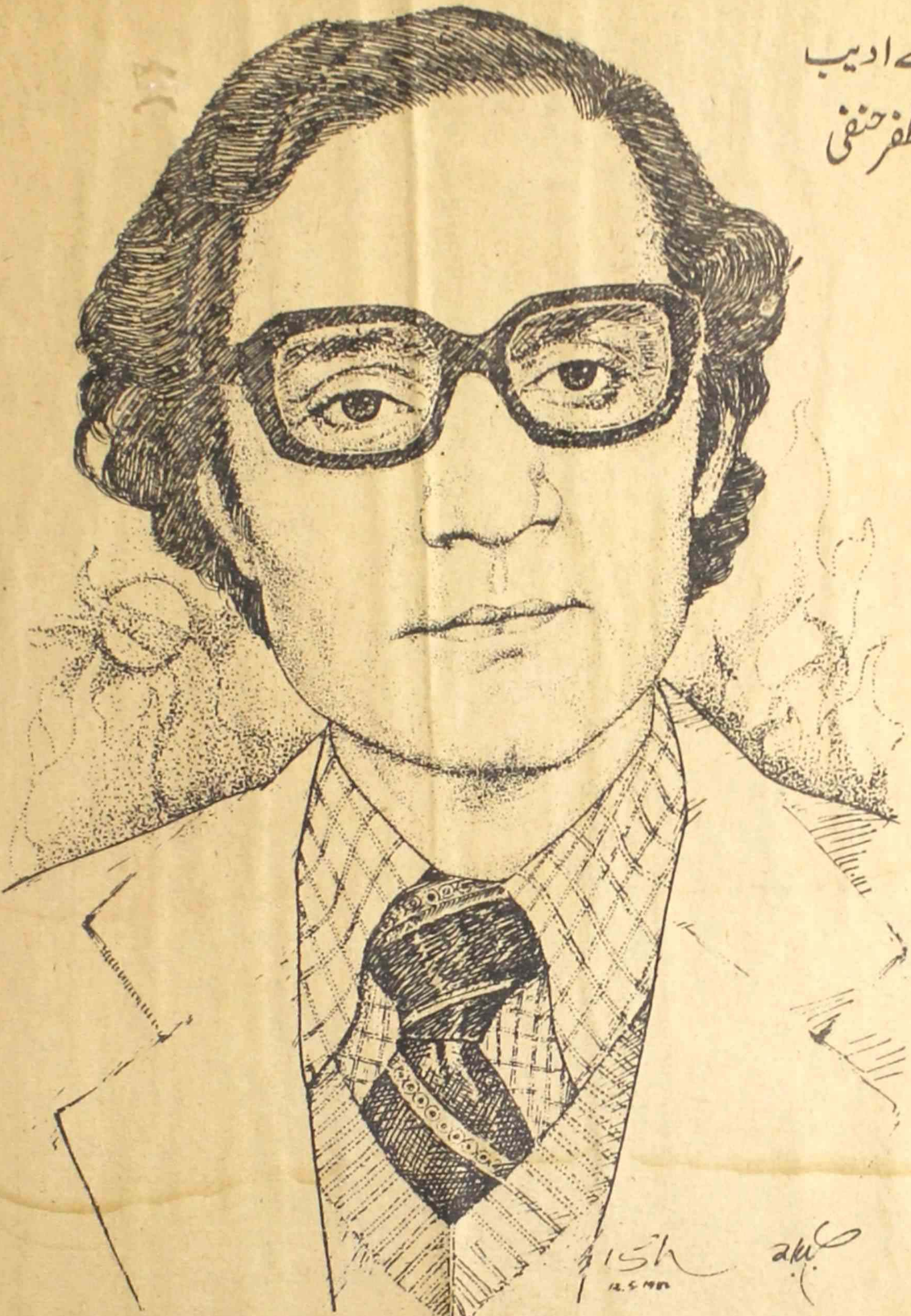

مصوّر
شکیل اعجاز۔ مومن پورہ، آکولہ۔

عشرت رحمانی

تل کے لڈّو

پرانے زمانے میں کسی شہر میں ایک شیخ جی رہتے تھے۔ لوگ انھیں شیخو میاں کہہ کر پکارتے تھے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ گرمی کا موسم تھا اور یہ کمرے کے اندر پلنگ پر لیٹے ہوئے تھے کہ مکھیوں نے انھیں ستانا شروع کر دیا۔ شیخ جی غصّے میں اٹھ کھڑے ہوئے اور پنکھے سے سب مکھیوں کو مار کر باہر نکال دیا۔ پھر آکر اطمینان سے لیٹ گئے۔ اتفاق سے ایک مکھی کمرے ہی میں رہ گئی تھی۔ وہ اڑ کر آئی اور ان کے گال پر بے تکلف بیٹھ گئی۔ انھوں نے اس کو اڑا دیا، لیکن پھر وہ دوسرے گال پر بیٹھ گئی۔ اب حالت یہ تھی کہ یہ ایک گال سے اڑاتے تو وہ دوسرے گال پر بیٹھ جاتی۔ شیخو میاں حیران پریشان تھے کہ اس مکھی کم بخت سے کس طرح نجات حاصل کریں۔

گالوں پر تھپڑ مارتے مارتے سارا منہ لال ہو گیا۔ بلکہ لہولہان نظر آنے لگا، مگر ذرا سا کیڑا کسی طرح قابو میں نہیں آتا تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے مکھی کو بھی ان سے ضد ہو گئی ہے۔ اور وہ بڑے ڈھیٹ پن سے انھیں ستانے میں لگی ہوئی ہے۔

شیخو میاں نے کئی بار مکھی کو پکڑنے کے لیے دونوں ہاتھ چلائے۔ آخر خدا خدا کر کے وہ ان کی مٹھی میں آ پھنسی، پھر تو شیخو میاں نے اسے ایسا بند کیا کہ مکھی کسی طرح باہر نکل ہی نہیں سکتی تھی۔

شیخو میاں یوں کہنے کو تو صحت مند جوان تھے مگر تھے بہت سیدھے سادے۔ وہ پلنگ سے اٹھ کر چلچلاتی دھوپ میں سیدھے تھانے پہنچے، رپٹ لکھوائی اور تھانے دار کے سامنے پیش ہوئے تو کہنے لگے "جناب والا! ایک فوج داری کا مقدمہ ہے۔ اس بد ذات نے میرا سارا منہ لہولہان کر دیا ہے، میں جناب سے انصاف چاہتا ہوں۔"

تھانے دار نے یہ دیکھ کر کہ واقعی گال لال ہیں اور کچھ کچھ لہو کے نشان بھی ہیں، دریافت کیا، "تمھیں کس نے مارا ہے؟ اس کا نام اور پتا بتاؤ۔ ہم ابھی

سپاہیوں کو بھیج کر اسے پکڑواتے ہیں۔"

اس پر شیخو میاں نے اپنی مٹھی جھٹ کھول دی۔ مٹھی کا کھلنا تھا کہ مکھی آن کی آن میں اُڑ کر یہ جا وہ جا شیخو میاں منہ دیکھتے رہ گئے۔ تھانے دار کو بہت غصہ آیا۔ اس نے خیال کیا کہ کوئی دیوانہ ہے یا صرف شرارت سے ہمیں تنگ کرنے کو فضول باتیں کر رہا ہے اس لیے تھانیدار نے اس زمانے کے دستور کے مطابق انھیں شہر سے نکال دینے کا حکم دیا۔ شیخو میاں یہ سن کر رونے پیٹنے لگے۔ آخر انھوں نے بڑی خوشامد سے ایک بار ماں سے مل لینے کی اجازت چاہی تھانیدار نے ان کے ساتھ دو سپاہی کر دیے اور یہ ان کے ساتھ اپنی ماں کے پاس پہنچے۔

اس وقت رات ہو چکی تھی۔ انھوں نے دیکھا کہ ماں دروازے پر کھڑی ان کا راستہ دیکھ رہی ہے۔ شیخو میاں نے ماں کو اپنا سارا حال سنایا اور بولے "امّاں، ذرا جلدی سے میرے لیے تھوڑے سے تل کے لڈو بنا دو۔ راستے میں مجھے بھوک لگے گی تو کھا لوں گا۔"

ماں بے چاری یہ سن کر بہت روئی پیٹی اور بیٹے کی بے وقوفی پر انھیں بھی بہت کچھ برا بھلا کہا۔ پھر اٹھی اور کوٹھری میں جا کر تل اور گڑ نکال کر لائی۔ جلدی جلدی انھیں اوکھلی میں ڈال کر کوٹنے پیسنے لگی۔ اتفاق سے وہاں اوکھلی میں پہلے ہی سے ایک زہریلا سانپ کنڈلی مارے بیٹھا ہوا تھا، وہ بھی گڑ اور تلوں کے ساتھ پس گیا۔ اس نے سب مسالے کے بیس لڈو بنائے اور ایک کپڑے میں باندھ کر بیٹے کو دے دیے۔

صبح ہوتے ہی شیخو میاں جانے کو تیار ہو گئے لڈوؤں کی پوٹلی بغل میں دبا کر ساتھ لی اور باہر جا کر سپاہیوں کے ساتھ چل دیے۔ سپاہیوں نے انھیں تھوڑی دور جا کر شہر کے دروازے کے باہر نکالا اور خود وہ دونوں تھانے واپس چلے گئے۔

بے چارے شیخو میاں دن بھر اِدھر اُدھر مارے مارے پھرتے رہے۔ رات کو ایک سرائے میں جا کر پڑ رہے تھکے ماندے تو تھے ہی لیٹتے ہی سو گئے۔ لڈو کھانے کا بھی دھیان نہ رہا۔

سرائے میں ان کی کوٹھری کے قریب ہی بیس ڈاکو بھی ٹھہرے ہوئے تھے۔ ان ڈاکوؤں نے جو شیخو میاں کی پوٹلی کو دیکھا تو رال ٹپک پڑی۔ سمجھے کوئی قیمتی چیز سونا چاندی یا نقدی کی قسم کی ہوگی۔ ان میں سے کئی ڈاکو چپکے سے آئے اور پوٹلی اٹھا کر لے گئے۔ پھر انھوں نے اپنی کوٹھری میں جا کر جو وہ پوٹلی کھولی تو اس میں لڈو دیکھے۔ بہت ہی جھنجھلائے، لیکن کیا کرتے! آخر انھوں نے آپس میں کہا کہ خیر چلو جو کچھ ہے ناشتہ ہی سہی اور سب نے ایک ایک لڈو جلدی جلدی اٹھا کر

کھا لیا۔ تھوڑی دیر بعد زہر نے اپنا اثر دکھایا اور ایک ایک کر کے سب بے ہوش ہو گئے۔ صبح کو جو شیخو میاں سو کر اٹھے تو پوٹلی غائب تھی۔ اِدھر اُدھر دیکھا آخر سامنے کوٹھری میں کپڑا تو دکھائی دیا، مگر لڈو ندارد۔ قریب پہنچ کر کوٹھری کے اندر پہنچے تو وہاں اکٹھے بیس چور بے سدھ پڑے تھے آؤ دیکھا نہ تاؤ، جھٹ رسّی لے کر ان کے ہاتھ پاؤں باندھ دیے۔

اصل میں یہ بیس ڈاکو بڑے مشہور اور خطرناک تھے۔ شہر کے سب افسر اور پولیس کے آدمی ان کی تلاش میں تھے۔ حاکم شہر کی طرف سے ڈاکوؤں کو پکڑوانے یا ان کا پتا بتانے پر بھاری انعام مقرر تھا۔

شیخو میاں کو اس کی کچھ خبر نہ تھی وہ چلے جا رہے تھے کہ سڑک پر سامنے دیواروں پر اشتہار دیکھے۔ ان کو پڑھا کہ جو کوئی ان مشہور اور بدنام ڈاکوؤں کو پکڑ لے یا پکڑوائے، یا ان کا پتا بتائے گا، اس کو بڑا عہدہ اور بھاری انعام دیا جائے گا۔ مارے خوشی کے شیخو میاں اچھل پڑے اور سیدھے تھانے پہنچے۔ وہاں جا کر تھانیدار سے کہا کہ ہم نے ان اشتہاری مجرموں کو پکڑ کے ان کے ہاتھ پاؤں باندھ دیے ہیں ہمیں ابھی حاکم شہر کے پاس لے چلیے جو ہم ان کو یہ خبر سنائیں اور اپنا انعام پائیں۔

تھانیدار ان کو لے کر اسی وقت حاکم شہر کے پاس گیا اور سارا حال کہہ سنایا حاکم بہت حیران ہوا اور پوچھا کہ وہ سب ڈاکو کہاں ہیں؟ شیخو میاں نے بتایا کہ فلاں جگہ سرائے میں سب بندھے پڑے ہیں۔

حاکم نے تھانیدار اور کئی سپاہی شیخو میاں کے ساتھ اس سرائے کو بھیجے کہ جا کر سب ڈاکوؤں کو پکڑ کر جیل میں بند کر دو۔ شہر میں ڈھنڈورا پٹوا دیا کہ اب رعایا آرام چین سے رہے ایک بہادر آدمی نے ان سب ڈاکوؤں کو پکڑ لیا ہے۔

اس کے بعد شیخو میاں کو ایک بڑا عہدہ دار بنا دیا اور ان کے رہنے کے لیے ایک بڑا مکان اور بھاری انعام دیا۔ اب شیخو میاں کو اپنی ماں یاد آئیں اور حاکم سے کہا۔ حاکم نے ایک سوار بھیج کر ان کی ماں کو بلا لیا۔

آخر شیخو میاں اپنی ماں کے ساتھ ایک مکھی کے طفیل بڑے آرام چین اور شان و شوکت سے رہنے لگے۔

(بہ شکریہ۔ نونہال۔ کراچی)

ناوک حمزہ پوری

سپنا سچ ہوگا

سچ ہونے والا ہے سپنا
خلد نشاں ہوگا دیش اپنا
چین کا نغمہ گھر گھر ہوگا
امن کا چرچا گھر گھر ہوگا
لوگ فرشتہ خصلت ہوں گے
نیک چلن خوش سیرت ہوں گے
رہیں گے مل جل کر سب باہم
فرقہ بندی چھوڑیں گے ہم
امن و اماں سے لوگ رہیں گے
چین سے جاگیں گے سوئیں گے
رنگ و نسل کا فرق مٹے گا
ذات و اصل کا فرق مٹے گا
گھر گھر دودھ کے مٹکے ہوں گے
شہد کے چھتے لٹکے ہوں گے
کھانے کی کچھ کمی نہ ہوگی
چنتا کپڑوں کی بھی نہ ہوگی
رہنے سہنے کو گھر ہوں گے
مکاں سبھی کے سندر ہوں گے
کہو کبھی ایسا بھی ہوگا؟
یہ سپنا پورا بھی ہوگا؟

قوس اردو لائبریری حمزہ پور۔ شیر گھاٹی۔ گیا (بہار)

احمد جمال پاشا

لالچی بوڑھا

کسی زمانے میں کسی جھونپڑی میں رہنے والے دو غریب آدمی روزی کی تلاش میں ایک قصبے میں پہنچے جہاں انھوں نے محنت مزدوری کر کے تین سو روپے پس انداز کر لیے۔

انھوں نے سوچا کہ اگر وہ اتنی بڑی رقم کے ساتھ پردیس گئے تو ضرور لُٹ جائیں گے۔ اس لیے کسی ایمان دار آدمی کے پاس ہمیں یہ رقم امانت کے طور پر جمع کروا دینا چاہیے۔

وہ کئی دن تک سوچتے رہے کہ کس کے پاس امانت رکھوائیں۔ آخر انھیں قصبے کے اُن بڑے میاں کا خیال آیا جن کی انگوٹھیوں میں گھنگرو بجتے تھے۔ وہ بڑے میاں کے پاس گئے اور پوچھا۔

"آپ نے اپنی انگلیوں میں اتنے گھنگرو کیوں باندھ رکھے ہیں۔؟"

بڑے میاں بولے:

"میاں! بات یہ ہے کہ ہر طرف بہت سے مچھر اور تتلیاں اُڑتی رہتی ہیں۔ میرے ہاتھ سے ان کو نقصان نہ پہنچ جائے، گھنگرو کی آواز سے وہ ہوشیار ہو جاتے ہیں۔ اور میرے ہاتھ سے بچ جاتے ہیں۔"

دونوں غریب آدمیوں نے سوچا کہ بڑے میاں سے بڑھ کر کون امین ہو سکتا ہے جو اتنا خدا ترس ہے وہ ایمان دار بھی ضرور ہوگا۔ انھوں نے اپنی رقم گھنگرو والے بڑے میاں کے پاس امانتاً رکھوا دی۔

نشاط افزا۔ سیوان

کچھ زمانے بعد جب دونوں نے پردیس سے کافی رقم کما لی اور گاؤں واپس جا کر یہودی سے کھیت چھڑا کر کھیتی باڑی کرنے اور وطن میں رہنے کا ارادہ کیا تو بڑے میاں سے اپنی رقم واپس لینے گئے۔

بڑے میاں دونوں کو دیکھ کر بہت بگڑے اور غصہ میں گرج کر بولے:

"بے ایمانو! تم دونوں جیسے پھٹیچروں کے پاس تین سو روپے کہاں سے آ سکتے ہیں؟ اپنے ہوش میں ہو؟ میں نے تو اس سے پہلے کبھی تم دونوں کی شکل تک نہیں دیکھی تھی۔"

بڑے میاں بہت چیخے چلائے اور دھکے دے کر دونوں غریبوں کو گھر سے نکال دیا۔ غصہ ہوتے اور نکالتے میں ان کے دونوں ہاتھ ان کی زبان سے بھی زیادہ تیز چل رہے تھے۔ ان کی انگلیوں کے گھنگرو جھن! جھن! جھن! بج رہے تھے۔

دونوں غریب آدمی جا کر سڑک کے کنارے زمین پر بیٹھ کر اپنی بے بسی پر رونے لگے۔ ادھر سے ایک چالاک مگر رحم دل عورت گزری اس نے رونے کی وجہ پوچھی۔ دونوں نے رو رو کر بڑے میاں کی بے ایمانی کا قصہ بتایا۔ چالاک عورت نے بہت غور سے دونوں کی باتیں سُنیں۔ کچھ دیر سوچتی رہی اس کے بعد بولی۔

"تم دونوں کل بڑے میاں کے پاس صبح چھ بجے

جانا وہ تمھاری امانت واپس کر دے گا۔ لیکن آئندہ بڑے میاں کی میٹھی باتوں اور گھنگروؤں کے جال میں نہ پھنسنا۔"

دوسرے دن صبح ۵½ بجے چالاک عورت بڑے میاں کے پاس گئی اور بولی۔

"میرا شوہر کاروباری آدمی ہے۔ ہزاروں روپے میرے پاس چھوڑ کر کاروبار کے سلسلے میں پردیس چلا گیا ہے۔ گھر میں اکیلی ہوں۔ چور ڈاکوؤں کا بہت خطرہ ہے اس لیے برائے مہربانی یہ روپیا آپ میرے شوہر کے آنے تک اپنے پاس امانتاً رکھ لیں۔"

بڑے میاں خوش ہو کر بولے۔

"بیٹیا، تم بالکل صحیح جگہ آئی ہو۔ مجھ سے بہتر اور محفوظ جگہ تمھیں کہاں ملتی، میرے پاس سب ہی امانت رکھواتے ہیں۔"

ابھی دونوں باتیں کر ہی رہے تھے کہ دونوں غریب آدمی آکر اپنی رقم مانگنے لگے۔ بڑے میاں نے سوچا اگر اس آدمی کے روپے دے دوں تب بھی اس عورت کے روپے ان سے بہت زیادہ ہوں گے ورنہ وہ بھی ہاتھ سے نکل جائیں گے۔ اس نے فوراً دونوں غریب آدمیوں کے روپے واپس کر دیے۔ دونوں خوشی خوشی چلے گئے۔ اتنے میں ایک لڑکا دوڑتا ہوا آیا اور بولا۔

"ابا پردیس سے واپس آگئے۔"

یہ سن کر چالاک عورت لڑکے کے ساتھ گھر چل دی اور لالچی بوڑھا کھسیانی مسکراہٹ کے ساتھ بے بسی سے اسے جاتا دیکھتا رہا۔

شرارت حسین حسان ندوی

شرارت کون نہیں کرتا لیکن کیا آپ کو معلوم ہے کہ جانوروں کے بچے آپ سے بھی زیادہ شریر ہوتے ہیں؟ اگر نہیں معلوم تو یہ کہانی ضروری پڑھیے۔

قیمت -/۲

حافظ باقوی

بتاؤ یہ کون ہے؟

"کر کر کر کر کٹ"، کرتے ہیں شب بھر
دعوا ہے بے حد شیریں زباں ہیں
کہتے ہیں "سوئیں بے فکر بچے
ہم سنتری ہیں ہم پاسباں ہیں"
سنتے ہیں ان کی آواز بچے
پر بے خبر یہ کیا ہیں کہاں ہیں
مونچھیں ہیں لمبی ٹانگیں ہیں ٹیڑھی
اچھلے ابھی تھے جانے کہاں ہیں؟
آواز ان کی جھنکار سی ہے
چھوٹے سے کیڑے ننھی سی جاں ہیں
بچو، عزیزو! بوجھو تو جانیں
وہ کون ہیں جو یوں گلفشاں ہیں
جھٹ بولے حافظ "آہا! بتاؤں؟
جھینگر میاں ہیں جھینگر میاں ہیں"

۱۶/۵ جمیل آباد میل وشارم۔ ۶۳۲۵۰۹

سید محمود نقوی

وہ کون تھا ؟

بہت پہلے کی بات ہے، ایک عورت جس کا نام مارگریٹ تھا، تیمارداری اور زچہ بچہ کی دیکھ بھال میں کافی شہرت رکھتی تھی اور یہی اس کا پیشہ بھی تھا - دور دور سے لوگ اسے اپنے یہاں بچے کی ولادت کے وقت لے جاتے۔ ایک رات بارہ بجے جب کہ اسے سوئے ہوئے بھی کافی دیر ہوگئی تھی - کسی نے زور زور سے اس کا دروازہ کھٹکھٹایا، اس کی آنکھ کھل گئی - دروازے پر مسلسل دستک اور آوازوں نے اسے پریشان کر دیا۔ اس نے کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے پوچھا کون ہے ؟

اندھیری رات تھی ، بادل بھی چھائے ہوئے تھے، پھر بھی اسے اپنے پھاٹک کے قریب ایک گھوڑا کھڑا نظر آیا اور اپنے دروازے کے پاس ایک آدمی جو چابک سے دروازہ پیٹنے اور "کوئی ہے کھولو" کی آوازیں لگانے میں مصروف تھا۔

کون ہے ؟ عورت کے دوبارہ زور سے پوچھنے پر وہ شخص متوجہ ہوا" میری بیوی کو ابھی فوراً آپ کی مدد کی ضرورت ہے ، اگر آپ جلدی سے تیار ہو جائیں تو آپ کو اچھا معاوضہ دیا جائے گا"

مارگریٹ نے شمع روشن کی، جلدی سے کپڑے تبدیل کیے اور لالٹین لیے ہوئے نیچے اتر آئی - دروازہ کھول کر اس نے پہلی بار آنے والے شخص کو دیکھا تو وہ کچھ اچھا نہیں لگا ، درمیانہ قد، چھوٹی چھوٹی آنکھیں، کچھ عجیب بدہیئت سا - اس کا جی چاہا منع کر دے اس وقت اتنی رات کو وہ نہیں جاسکتی لیکن جیسے آنے والے شخص کو اس کے خیالات کا اندازہ ہو گیا - اس نے ایک اشرفی عورت کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے کہا "یہ پیشگی لیجیے اور گھبرانے کی کوئی بات نہیں میں خود آپ کو حفاظت کے ساتھ واپس پہنچا دوں گا اور کام کے لیے اچھا معاوضہ بھی مل جائے گا" وہ چپ چاپ اس کے ساتھ چلنے کو رضامند ہو گئی - اپنا دروازہ مقفل کیا اور اس شخص کے پیچھے پیچھے چل دی - باہر سڑک پر ایک بڑا سا مشکی گھوڑا کھڑا تھا - اندھیرے میں اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں - عورت نے اس پر بیٹھنے میں ہچکچاہٹ محسوس کی - اجنبی مرد نے اصرار کیا " میری بیوی کو آپ کی فوری مدد کی ضرورت ہے ۔"

مارگریٹ نے سوچا، اگر اس کی بیوی بھی اسی کی طرح بدشکل ہوئی تو بچہ کتنا بھیانک ہوگا - اس تصور ہی سے اسے ایک کراہیت محسوس ہوئی لیکن کچھ کہے بغیر وہ گھوڑے کی طرف بڑھی اور مرد نے سہارا دے کر اسے سوار کرا دیا اور خود اس کے آگے بیٹھتے ہوئے گھوڑے کو مہمیز کر دیا - گھوڑا جلد ہی ہوا سے باتیں کرنے لگا ، مارگریٹ

۱- بینو برج پوری - نئی دہلی -

نے خوف زدہ ہو کر آنکھیں بند کرلیں اور اجنبی مرد جو چمڑے کی پیٹی پہنے ہوئے تھا، اسے مضبوطی سے پکڑ لیا۔ چاروں طرف پھیلے ہوئے اندھیرے میں وہ سیاہ گھوڑا نہ جانے کتنی دیر تک دوڑنے کے بعد آخر ایک جگہ رکا تو مارگریٹ نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے آنکھیں کھولیں۔ اسے یہ دیکھ کر اطمینان ہوا کہ وہ ایک اچھے سے مکان کے سامنے تھی اور دو صاف ستھرے بچے وہاں کھیل رہے تھے۔ وہ اندر داخل ہوئی تو اس نے ایک خوبصورت عورت کو اپنا منتظر پایا۔ آتش دان پر کیتلی میں پانی ابل رہا تھا اور بچے کے کپڑے، جھولا اور ضرورت کی ساری دوسری چیزیں بھی موجود تھیں۔

کچھ وقفے کے بعد ایک بچے کی ولادت ہوئی اور سب کچھ معمول کے مطابق رہا۔ ہاں مارگریٹ کو نومولود بچہ کچھ زیادہ تندرست مزور محسوس ہوا کیونکہ جب وہ اسے نہلا دھلا رہی تھی اور ساتھ ہی اپنی عادت کے مطابق بچے سے باتیں بھی کیے جا رہی تھی، کتنا پیارا بچہ ہے اپنے پاپا کی طرح، تو اسے محسوس ہوا جیسے بچے نے اسے گھورا ہو اور اس کے چہرے پر تماچا لگانے کی کوشش کی ہو بچے کی ماں نے ان باتوں پر کوئی خاص توجہ نہیں دی اس لیے مارگریٹ نے بھی نظر انداز کر دیا۔

اسی دوران جب مارگریٹ آتش دان کے سامنے بچے کو اپنے گھٹنوں پر لٹائے ہوئے مالش کر رہی تھی تو بچے کی ماں نے اپنے پلنگ کے نیچے سے اٹھا کر ایک شیشی دیتے ہوئے کہا "یہ تیل بچے کی آنکھوں پر لگا دیجیے"۔ مارگریٹ نے تعجب سے بچے کی ماں کی طرف دیکھتے ہوئے شیشی لے لی جیسے وہ کہنا چاہ رہی ہو کہ اس کی کیا ضرورت ہے آنکھوں پر تو کسی تیل کی مالش نہیں کی جاتی۔ لیکن اس نے یہ سوچتے ہوئے کہ ہو سکتا ہے ان کے یہاں کا دستور ہو اور آنکھوں کے لیے یہ کوئی مفید چیز ہو، بچے کی آنکھوں پر تیل کی مالش کر دی اور اس نئی چیز کو سمجھنے کے لیے اس نے بچے کی ماں کی نظریں بچاتے ہوئے اپنی ایک آنکھ پر بھی وہ تیل لگا لیا۔ لیکن تیل کے لگاتے ہی اسے سکتہ سا ہو گیا۔ ہر چیز بدل گئی تھی، کچھ زیادہ خوب صورت ہو گئی تھیں اور کچھ بھدی۔ صاف ستھرا مکان، بستر پر لیٹی ہوئی عورت، ہنستے ہوئے بچے اب کچھ بھی تو ویسا نہیں تھا۔ وہاں مکان کا وجود ہی نہیں تھا، برگد کے درخت کی پھیلی ہوئی شاخیں اور جڑیں تھیں۔ جنھیں اب تک وہ چارپائی، میز اور آتش دان وغیرہ سمجھ رہی تھی۔ آگ اور شمعیں درحقیقت کچھ چمکتے ہوئے جگنو تھے۔ "ہاں عورت اور اس کا نوزائیدہ بچہ اب کچھ اور خوب صورت لگ رہے تھے" اور پہلے جو دو قاعدے کے بچے کھیلنے میں مصروف نظر آ رہے تھے اب ایسا لگ رہا تھا جیسے دو انتہائی گندے بچے ہوں اور بار بار اپنا جسم کھجا رہے ہوں"۔

مارگریٹ نے بڑی مشکل سے اپنے ہوش وحواس برقرار رکھتے ہوئے جلدی جلدی بچے کے کام نپٹائے اور بچے کو ماں کے برابر لٹاتے ہوئے واپسی کے لیے تیار تھی)۔ اسی طرح اس نے مارگریٹ کو اپنے پیچھے گھوڑے پر بٹھایا اور تیز رفتاری کے ساتھ اسے گھر واپس پہنچا دیا۔

بے چاری مارگریٹ نے گھر کے دروازے پر پہنچ کر ٹھنڈی سانس لی اور بخیریت واپس پہنچ جانے پر خدا کا شکر ادا کیا۔ صبح ہونے والی تھی وہ یہ سوچ کر اپنے کاموں میں مشغول ہو گئی کہ وہ لوگ جو بھی ہوں اب اس الجھن میں پڑنے سے کیا فائدہ، وہ ٹھیک ٹھاک اپنے گھر واپس پہنچ گئی تھی اور اسے معاوضہ بھی امید سے زیادہ ہی مل گیا تھا۔

معاوضے کی اس رقم سے اس نے آیندہ بازار کے دن اپنی ضرورت کی ساری چیزیں خریدنے کا پروگرام

بنایا۔ وہ ابھی بازار میں پہنچی ہی تھی کہ اسے وہی بدہیئت شخص دکھائی دیا جو اسے آدھی رات کو اپنے گھر لے گیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک بڑا سا تھیلا تھا وہ ایک دکان سے دوسری دکان پر پہنچتا اور تھوڑا سا مکھن یا پنیر اٹھا کر اپنے تھیلے میں ڈال لیتا اور جب مکھن پنیر کافی مقدار میں اس نے جمع کر لیا تو دوسری کھانے کی چیزوں کی دکانوں پر پہنچا۔ سبزیاں، پھل آٹا گوشت وغیرہ سبھی کچھ تو اس نے اپنے جھولے میں بھر لیا۔ مارگریٹ اسے بار بار دیکھتی، کوئی تو اسے منع کرے، بغیر پوچھے ہر دکان سے اپنی مرضی کے مطابق چیزیں اٹھا لیتا ہے نہ اسے کوئی ٹوکتا ہے نہ ہاتھ پکڑتا ہے۔ اس کی نظریں بے اختیار اٹھ جاتیں جی میں آتا پوچھے وہ کر کیا رہا ہے لیکن پھر نظر انداز کر دیتی۔ اسی دوران ایک دکان پر وہ بالکل اس کے قریب آگیا۔ اب بات نہ کرنا بھی بد اخلاقی تھی جب کہ ابھی چند ہی دن پہلے وہ بڑی اچھی رقم اسے بطور معاوضہ دے چکا تھا۔ قریب پہنچنے پر مارگریٹ نے اسے سلام کیا اور خیریت دریافت کی آپ کی بیگم اور چھوٹا بچہ کیسے ہیں؟

"کیا؟" اس نے پلٹتے ہوئے تعجب سے سوال کیا۔ "تم مجھے آج دیکھ رہی ہو؟"

"کیوں نہیں، میں تو کافی دیر سے آپ کو دکانوں پر آتے جاتے دیکھ رہی ہوں"۔ "اچھا ذرا یہ بتاؤ دونوں آنکھوں سے مجھے دیکھ رہی ہو یا کسی ایک آنکھ سے؟"

مارگریٹ نے کچھ توقف سے اپنی آنکھوں کو باری باری بند کر کے دیکھتے ہوئے کہا "داہنی آنکھ سے جناب۔"

"اوہ! یقیناً وہ تیل تم نے اپنی داہنی آنکھ میں لگا لیا ہوگا۔ وہ تمہارے لیے نہیں تھا" یہ کہتے ہوئے اس نے ایک زوردار گھونسا مارگریٹ کی داہنی آنکھ پر مارا! اور غائب ہوگیا۔ وہ روتے چیخنے لگی۔ لوگوں کی بھیڑ اس کے چاروں طرف جمع ہوگئی۔ لوگ حیرت زدہ تھے کیونکہ کسی نے بھی کسی شخص کو مارگریٹ کی آنکھ پر گھونسہ مارتے ہوئے نہیں دیکھا تھا لیکن وہ درد سے بے چین ضرور تھی۔ کہتے ہیں اس دن سے اپنے آخری وقت تک مارگریٹ اپنی داہنی آنکھ سے کچھ بھی نہ دیکھ پائی۔ گھونسا مارنے والا شاید پری زاد تھا۔

مکتبہ پیام تعلیم کی مفید کتابیں

اسلام کے مشہور سپہ سالار — عبدالواحد سندھی

بچوں کے لیے اسلام کے مشہور سپہ سالاروں کا تفصیلی تعارف نیز ان کی زیر قیادت لڑی گئی جنگوں کے حالات جن کے پڑھنے سے ایمان میں تازگی آتی ہے۔ حصہ اول =/۴ حصہ دوم =/۴

اسلام کے مشہور امیر البحر — عبدالواحد سندھی

اس کتاب میں مسلمانوں کے جہاز سازی اور جہاز رانی کے کارنامے نیز ان سمندری سپہ سالاروں کے حالات بتائے گئے ہیں جنھوں نے تاریخ میں نام اونچا کیا۔ قیمت ۴/۵۰

موم کا محل — پروفیسر محمد انس

شہد کی مکھیوں کی کہانی، جو خود شہد کی طرح میٹھی اور دل پسند ہے۔ بڑے بچوں کے لیے کہانی کی طرز پر لکھی گئی ایک عمدہ معلوماتی کتاب۔ قیمت =/۴

پہیلیاں — مرتبہ: ڈاکٹر سیفی پریمی

کھیل ہی کھیل میں بچوں میں تجسس اور کھوج کی عادت ڈالنے کا بہترین ذریعہ قیمت: -/۸۰

صحت کی الف بے — مسعود احمد برکاتی

اس کتاب میں صحت و تندرستی کی باتیں، باتوں ہی کے انداز میں، آسان زبان، سادہ بیان میں بتائی گئی ہیں۔ قیمت =/۳

اس نے کیا کر نہ جانا — بیگم آصف مجیب

کتاب ایک ہے، لیکن کہانیاں دو ہیں اور دونوں ایسی دل چسپ اور سبق آموز کہ بار بار پڑھنے کو دل چاہے گا۔ قیمت ۱/۲۰

امتہ الرحمٰن محسنی

دو شکاری

(قسط نمبر ۱۶)

بڑی والی سفید چمک دار کار نمودار ہوئی اور پیٹرول پمپ کے سامنے آکر رک گئی۔ اسٹیرنگ وھیل کے پیچھے سے شہباز خان کا گول پھولا ہوا چہرہ تیتروں کو تک رہا تھا۔ منہ لٹکا اور کھلا ہوا تھا۔ مینڈکوں کی طرح آنکھیں حلقوں میں ابلی ہوئی۔ چہرہ گلابی سے بدل کر اُودا ہو رہا تھا۔ کشمشی رنگ کی برجیس اور رنئے چمکتے ہوئے پالش شدہ بوٹ پہنے ہوئے تھے۔ پیلا لال بُندکیوں والا ریشمی اسکارف گلے میں بندھا ہوا سر پر دھوپ ہیٹ جمی ہوئی۔ وہ اپنے معزز عظیم شکاری مہمانوں کے استقبال کے لیے تیار ہو کر نکلے تھے۔ اپنی گاڑی کا دروازہ کھلا ہی چھوڑ کر ہماری طرف اس طرح آئے جیسے کوئی بجار حملہ کرنے کے لیے دوڑتا ہے۔ ابّو، ڈاکٹر حسین اور میں ایک جگہ جمے ہوئے کھڑے ان کی حرکات دیکھ رہے تھے۔ انھوں نے گاڑی سے اترتے ہی ہم پر گرجنا برسنا شروع کر دیا تھا۔ کافی دیر تک چیختے چلاتے رہے۔ میرا خیال ہے کہ آپ لوگ بھی سننا چاہیں گے کہ انھوں نے کیا کہا تھا۔ لیکن ان کا کہا دوھرانا میرے لیے قطعی ناممکن ہے۔ جو زبان وہ استعمال کر رہے تھے وہ اس قدر نفرت انگیز اور گندی تھی کہ اس کی گرمی میرے کانوں کے سوراخوں کو جلائے ڈال رہی تھی ان کی زبان سے جو الفاظ نکل رہے تھے۔ نہ میں نے اس سے پہلے سنے تھے اور امید کرتا ہوں کہ آیندہ بھی کبھی سننے کا اتفاق نہ ہوگا۔

جھاگ کی پھوار ان کے منہ سے نکل کر ان کے ہونٹوں کے گرد جمع ہو رہی تھی اور ٹھوڑی پر سے گزر کر ان کے ریشمی اسکارف پر گر رہی تھی۔ میں نے ابو کی طرف دیکھا وہ جمے ہوئے نہایت پرسکون انداز میں کھڑے ان کی چیخم دھاڑ کے ختم ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔ ان کے چہرے کا رنگ واپس آگیا تھا۔ آنکھوں کے گرد ہلکی سی مسکراہٹ کی جُھرّیاں بھی ظاہر ہو رہی تھیں۔ ان کے برابر ڈاکٹر حسین بھی بڑے اطمینان سے کھڑے تھے۔ اور شہباز صاحب کو اس انداز سے دیکھ رہے تھے۔ جیسے سلاد کے پتے پر کوئی کیڑا ان کو نظر آگیا ہو۔

وہاں صرف میں تھا جو اپنے اندر سکون قطعی محسوس نہیں کر رہا تھا۔ آخر کار ابو نے بولنے میں پہل کی کہا: "یہ تیتر میرے ہیں۔ آپ کے نہیں ہیں"۔

"اُو! بیہودہ آدمی! میرے منہ پر جھوٹ بکتا ہے"۔ شہباز صاحب دہاڑے "یہاں دور دور بھی میرے سوا کسی کے یہاں تیتر نہیں ہیں۔"

ابو نے کہا "یہ میری زمین پر ہیں اور اڑ کر آتے ہیں۔ جب تک یہ میری زمین پر ہیں یہ میری ملکیت ہیں"۔ وہ نہایت سکون و اطمینان سے کہہ رہے تھے "کیوں! نیلے چہرے والے بن مانس کیا آپ کو معلوم نہیں۔ یہ قانون تو سب ہی جانتے ہیں۔"

مسکن، دودھپور۔ علی گڑھ

ڈاکٹر حسین نے منہ ہی منہ میں کھلکھلانا شروع کیا۔ ادھر شہباز خاں صاحب کا چہرہ اُودے سے بدل کر سرمئی ہوگیا۔ ان کی آنکھیں اور چہرہ مارے غصے کے پھول رہے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے وہ پھونک مارنے کے لیے منہ میں ہوا بھرے ہوئے ہوں۔ اپنی غضب ناک نگاہیں کبھی ابو پر ڈال رہے تھے کبھی تیتروں پر جو نشے میں غنائے ہوئے پیٹرول پمپ پر جھنڈ کے جھنڈ بیٹھے اونگھ رہے تھے۔" ارے ان کو ہوا کیا ہے۔ کمینے تم نے کیا کر ڈالا ان کو"؟ شہباز صاحب بے قابو ہو کر دہاڑے۔

اسی لمحہ قانون کا ہاتھ بڑے شاہانہ وقار کے ساتھ کالی سائیکل پر سوار بڑے اطمینان سے پیڈل مارتا پیتل کے چمک دار بٹنوں سے آراستہ وردی میں ملبوس مہتاب علی کی صورت میں ہماری طرف آرہا تھا۔

یہ بات میرے لیے ہمیشہ راز ہی رہی کہ سرجنٹ مہتاب علی کسی گڑبڑیا بے چینی کے ماحول کو کیسے سونگھ لیتے تھے۔ کسی فٹ پاتھ پر لڑکے گالم گلوج کر رہے ہوں۔ یا دو موٹریں ایک دوسرے میں جڑی کھڑی ہوں اور ان کے اندر بیٹھے ہوئے لوگ آپس میں بحث کر رہے ہوں کہ یہ آپ کی لاپرواہی سے ہوا ہے۔ نہیں آپ کی —! میں شرطیہ کہہ سکتا ہوں کہ دو منٹ کے اندر وہاں قصبے کا پولس مین موجود ہوگا۔ ہم نے سرجنٹ کو آتے دیکھا۔ سب ایک دم خاموش ہوگئے۔ میں تصور کرتا ہوں کہ جب کسی بھرے باتیں کرتے مجمع میں کوئی بادشاہ یا پریزیڈنٹ آتا ہوگا تو وہاں بھی ایسی ہی خاموشی طاری ہو جاتی ہوگی۔ اور وہ سب خاموش ہو کر تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاتے ہوں گے۔

سرجنٹ مہتاب علی اپنی سائیکل سے اتر کر بہت وقار اور شان کے ساتھ چلتے ہوئے آس پاس بیٹھے تیتروں کے جھنڈوں پر نگاہیں ڈالتے گزر رہے تھے۔ بڑی کالی مونچھوں کے پیچھے چہرے پر نہ کوئی حیرت تھی نہ ناراضگی نہ اور کسی طرح کا جذبہ صرف وہ سکون اور بے تعلقی اس چہرے پر دیکھی جاسکتی تھی جو قانون کے چہرہ پر ہمیشہ چھائی رہتی ہے۔

پورے آدھے منٹ تک وہ اپنی آنکھیں پورے فلنگ اسٹیشن پر آہستہ آہستہ گھماتے رہے اور پھر تیتروں کی بھیڑ پر نظریں جما دیں جو ہر طرف بکھرے ہوئے تھے۔ شہباز سمیت ہم سب بڑے سکون سے ان کے فیصلے کے اعلان کا انتظار کر رہے تھے۔

"ہاں تو!" سرجنٹ مہتاب علی نے اپنا سینہ آگے کو نکال اور پھلا کر بظاہر کسی خاص آدمی سے خطاب نہ کرتے ہوئے کہا۔" میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ یہ سب طرف میں کیا دیکھ رہا ہوں؟"

فوراً شہباز صاحب دہاڑے۔" میں تم کو بتا دوں گا کہ یہ کیا ہوا ہے۔ یہ سب میرے تیتر ہیں"۔ دابو کی طرف اشارہ کرکے" اس دغاباز نے ان سب کو میرے جنگل سے پھسلا کر اپنے اس غلیظ فلنگ اسٹیشن پر ہنکا لیا ہے۔"

"پھسلا کر لایا ہے"؟ سرجنٹ مہتاب نے پہلے شہباز کی طرف دیکھا اور پھر ہم سب کی طرف دیکھ کر کہا۔" اس شخص نے پھسلا لیا ہے۔ کیا یہ ہی بات آپ نے کہی تھی؟"

"ہاں ہاں بالکل! یہ ہی ان کو پھسلا کر ہنکا کر لایا ہے!"

"اوہ اچھا!" سرجنٹ نے اپنی سائیکل سنبھال کر ہمارے پیٹرول پمپ سے ٹکا کر کہا۔" یہ الزام بہت ہی دلچسپ ہے بے شک بہت دلچسپ کیونکہ ایسی بات میں نے اپنی زندگی میں اس سے پہلے کبھی نہیں سنی تھی کہ کوئی چھ میل دور سے تیتروں کو میدان پار کرا کے پھسلاتا ہنکاتا ہوا لے آیا ہو۔ شہباز صاحب! کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ کے خیال میں یہ کیسے ہنکائی گئی ہیں؟"

"مجھ سے مت پوچھو!" شہباز صاحب دہاڑے" کہ اس نے یہ سب کیسے کیا۔ مجھے کچھ معلوم نہیں ہے۔ ہاں یہ سب کیا ہوا اسی کا ہے۔ اور ثبوت یہ چاروں طرف موجود ہے۔ یہ سب میری اعلا درجہ کی چڑیاں ہیں جو اس وقت اس گندے فلنگ اسٹیشن پر بیٹھی ہیں۔ جب کہ ان کو شکار کے لیے تیار میرے جنگل میں ہونا چاہیے تھا۔" یہ الفاظ شہباز صاحب کے منہ سے ایک کھولتے لاوے کی طرح نکل رہے

تھے۔ سرجنٹ نے رک رک کر کہا۔" مجھے یاد پڑتا ہے۔ شاید ٹھیک ہی یاد ہو کہ آج آپ کے یہاں بڑی شکار پارٹی کی تقریب منائی جانے والی ہے۔ کیوں شہباز صاحب کیا میں ٹھیک کہہ رہا ہوں؟"

"ارے یہ ہی تو ساری مصیبت ہے" شہباز صاحب سرجنٹ کے سینے پر اپنی انگلی گھساکر گرجے "اگر ان پرندوں کو میں جلد از جلد اور فوراً ہی اپنی زمین پر نہ لے گیا تو آج کچھ بہت ہی اہم اور معزز مہمان بے حد ناراض ہوجائیں گے۔ اور سرجنٹ تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ ان مہمانوں میں میرا ایک مہمان تمھارا اپنا آفیسر ہے کوئی دوسرا نہیں ہے۔ اس لیے تم کو بہت تیزی سے اس بارے میں کارروائی کرنی چاہیے۔ ورنہ ہوسکتا ہے کہ تم اپنی یہ سرجنٹی کی وردی ہی کھو بیٹھو۔"

سرجنٹ مہتاب علی اس بات کو سخت ناپسند کرتے تھے کہ لوگ ان کے سینے میں انگلیاں چبھوئیں اور شہباز خاں کا اس وقت کا یہ انداز تو انھیں سخت ناگوار گزر رہا تھا وہ ضبط سے کام لے رہے تھے اور اپنی اس ناگواری کو ظاہر ہونے سے روکنے کے لیے اپنا اوپر کا ہونٹ انھوں نے اندر کو دبا رکھا تھا۔ ان کی مونچھیں اس دباؤ سے ایسی کھڑی ہوگئیں تھیں جیسے سہی کے کانٹے۔ (باقی آیندہ)

(باقی آیندہ)

زندگی کی بے شمار ذمہ داریوں کا بوجھ کل اس بچے کے سر پر ہوگا

آپ کا بچہ ملک کا بڑے سے بڑا آدمی بن سکتا ہے اور بڑی سے بڑی ذمہ داری کا بوجھ اٹھا سکتا ہے بشرطیکہ وہ تندرست و توانا ہو، بلند ہمت اور حوصلہ مند ہو اور بہترین دل و دماغ اور مضبوط قوتِ ارادی کا مالک ہو۔

بہارنو ٹانک آپ کے بچے میں یہ تمام خوبیاں پیدا کرے گا۔ معدہ و جگر کے فعل کو درست کرکے خون صالح پیدا کرے گا تمام اعضا کو طاقت بخشے گا اور دانت نکلنے کی تکلیف سے محفوظ رکھے گا۔

دواخانہ طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی۔ علی گڈھ یو۔ پی

کیا آپ جانتے ہیں؟

کس نے اور کب ایجاد کیا۔

۱	فاؤنٹن پن	واٹرمین	۱۸۸۴ء
۲	گراموفون	برلینر	۱۸۸۷ء
۳	ہیلی کاپٹر	سیکورسکی	۱۹۳۹ء
۴	ہوائی جہاز	ڈبلو۔ لو رائٹر	۱۹۰۳ء
۵	بیلون	مونٹ گولفر برادر	۱۷۸۳ء
۶	بیرومیٹر	ٹی ٹوری کیلی	۱۶۴۳ء
۷	الکٹرک لیمپ	انڈیسن	۱۸۷۹ء
۸	ڈائینامیٹ	الغرڈ نوبل	۱۸۶۶ء
۹	پیراشوٹ	ایف بلانکارڈ	۱۷۸۵ء
۱۰	نائیلون	کاروتھرس	۱۹۳۰ء
۱۱	پرنٹنگ پریس	گٹن برگ	۱۴۵۰ء
۱۲	راڈار	ٹیلراونیگ	۱۹۲۲ء
۱۳	ریڈیو	جی۔ مارکونی	۱۸۹۵ء
۱۴	ٹیلی فون	گرہیم بل	۱۸۷۶ء
۱۵	ٹیلی ویژن	جون بیرڈ	۱۹۲۲ء
۱۶	ریلوے لائن۔ ریلوے انجن (۲۹ میل فی گھنٹہ)	جیمس واٹ	۱۸۳۰ء

ریحان احمد

معرفت پروفیسر ایچ رحمان۔ درگاپور۔ کٹیہار۔ بہار

شفیق عابد (زاہدی)

محنت کا پھل

محمود ایک غریب کاشت کار کا لڑکا تھا۔ اس کے باپ حامد کے پاس صرف چند بیگھے زمین تھی۔ پچھلے سال اس کا واحد بیل بھی مر گیا۔ جو ساجھے میں چلتا تھا۔ وبا ہی ایسی تھی۔ کتنے ہی لوگوں کے جانور مرے۔ ان کے جانور تو پھر خریدے بھی جا چکے۔ پیسے والوں نے پیسے کے زور پر اور کچھ لوگ جن کو قرض مل سکتا تھا قرض لے کر۔

حامد بے چارے سے کچھ بھی نہ بن پڑا۔ ان کے گھر میں نہ پیسہ، نہ قرض ملنے کی امید۔ دوہری مصیبت یہ تھی کہ بیل کے بعد وہ بھینس بھی مر گئی جس کے دودھ دہی اور گھی سے روزی روٹی چلتی تھی۔ یہ بھاری نقصان تھا جس نے حامد کی کمر ہی توڑ دی۔ کھیت پھر نہ بوئے جا سکے۔ بٹائی سے کتنا غلہ آتا۔ نقدی آمدنی کا ذریعہ بھینس تھی وہ بھی نہ رہی۔ چار بیٹیوں پر ایک بیٹا محمود تھا۔ وہ تو خیریت کہیے، اس وقت ہاتھ پاؤں چل رہا تھا اس لیے انھوں نے چاروں لڑکیوں کو بیاہ دیا تھا۔ لڑکیاں اپنی اپنی سسرال سے آتی جاتی رہتی تھیں۔

حامد اس وقت سخت پریشان تھے۔ ہاتھ خالی۔ کچھ کھیت رہن، کچھ بٹائی پر۔ خرچ اگرچہ بہت کم تھا۔ پھر بھی آدمی کے ساتھ روٹی کپڑے کے علاوہ دوسری ہزاروں ہی ضرورتیں ہوا کرتی ہیں۔

محمود ابھی چودھویں پندرھویں سال میں درجہ آٹھ کا طالب علم تھا۔ اس کے دو سال غربت کی وجہ سے برباد ہو گئے تھے۔ ہیضے کی وبا آئی۔ ماں باپ دونوں کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ بہنوں نے چاہا کہ بھائی کو سمیٹ لیں۔ لیکن

دفتر روزنامہ انقلاب۔ بمبئی

غیرت مند محمود نے انکار کر دیا۔

حامد کے ایک دوست کلیم میاں بڑے نیک پڑوسی تھے۔ محمود نے اپنے سب کھیت اور رہن کے کاغذات ان کے حوالے کر دیے اور ان سے کچھ ادھار لے کر قریبی شہر کلکتے چلا گیا۔ کلیم میاں نے روکا بھی اور کہا کہ تم یہیں پڑھو۔ جیسے سب بچے ویسے تم۔ لیکن محمود نے اس بات کو گوارا نہ کیا۔

کلکتے میں اس کا کوئی جاننے والا نہ تھا۔ ایک کے سوا۔ جو محمود ہی کے گاؤں کا تھا اور سیالدہ میں ایک ہوٹل میں کام کرتا تھا۔ آدمی نیک اور خداترس تھا۔ محمود کو دیکھ کر خوش ہوا۔ اس کی بپتا سن کر اس کو ترس آ گیا۔ اس نے محمود کو اسی ہوٹل میں نوکر رکھا دیا۔

محمود دن بھر محنت اور ایمان داری سے اپنی ڈیوٹی بجا لاتا اور رات کو بارہ بجے تک پڑھتا لکھتا رہتا۔ کھانے ناشتے کا آرام تھا۔ ہوٹل کے مالک نے لڑکے کو محنتی اور ایمان دار پا کر کپڑے کا بھی انتظام کر دیا اور خود اپنے ساتھ لے جا کر کوچنگ کلاسز میں اس کا نام لکھا کر سفارش کر دی۔ فیس اور کتاب کاپی کے سارے اخراجات اپنے ذمے لیے اور اس کی تنخواہ جمع کرتا رہا۔ کچھ پیسے جیب خرچ کے لیے اپنے پاس سے دے دیتا۔

محمود کو پڑھنے لکھنے اور اپنے گھر کی پریشان حالی کا اتنا خیال تھا کہ وہ اپنی ڈیوٹی کے بعد کا زیادہ وقت پڑھنے ہی لکھنے میں صرف کرتا۔ نماز کا بے حد پابند تھا۔ اپنے کام سے اس کو پیار تھا۔ وہ مالک کو خوش رکھنے کے لیے دکھاوے

کا کام نہیں کرتا تھا بلکہ اپنے گھر کا کام سمجھ کر بڑی ایمان داری اور مستعدی سے کیا کرتا تھا۔ بارہ بجے رات تک پڑھتا لکھتا، پھر صبح سویرے اٹھ کر نماز اور تلاوت سے فارغ ہو کر اپنا کام سنبھال لیتا۔

ہوٹل کے مالک حاجی صاحب غور سے محمود کی کار گزاری اور چال چلن کو دیکھتے رہے۔ اس کے تعلیمی شوق کو بھی دیکھا۔ اب انھوں نے اسے کاؤنٹر پر بٹھانا شروع کیا۔ دو چار ماہ حساب کتاب کا جائزہ لے کر انھوں نے اچھی طرح پرکھ لیا۔ ان کو بڑی خوشی تھی کہ ان کو ایک کام کا لڑکا مل گیا۔

البتہ کلیم میاں کبھی کبھار محمود کو دیکھنے آجاتے۔ حاجی صاحب ان کو کپڑا لتا، سفر خرچ اور گھریلو مصارف کے لیے روپے دے دیتے۔

محمود نے اچھے نمبروں سے میٹرک کر لیا تو خود حاجی صاحب نے زور دے کر کالج میں اس کا نام لکھوا دیا۔

اندھے کو دو آنکھیں ملیں۔ اب محمود ہر کام میں اور بھی چوکس ہو گیا۔ اب وہ ہوٹل کے سارے انتظامات بھی سنبھالنے لگا اور کالج کا ناغہ بھی نہ کرتا۔

اللہ کی رحمت کہ اس کی نگرانی میں ہوٹل نے دن دونی اور رات چوگنی ترقی کی۔ ہر اعتبار سے یہ ہوٹل ایک معیاری ہوٹل بن گیا اور تین چار سال میں اس ہوٹل کی دو اور مزید شاخیں قائم ہو گئیں اور بمبئی کے اے گریڈ ہوٹلوں کی طرح سیالدہ کا ہوٹل نہ صرف ہوٹل رہا بلکہ ایک اچھا اسٹور بن گیا۔ کلکتے میں اس ایجاد کا سہرا محمود کے سر رہا۔ اور یہ بڑا کامیاب تجربہ ثابت ہوا۔ اس نے اس ہوٹل میں زنانہ کیبن بھی بنوا دیے۔ اس لیے مہذب لوگوں کی آمد و رفت بڑھی۔ اسی اعتبار سے لذیذ، معیاری ہر طرح کے کھانوں، چائے، کافی اور ٹھنڈے مشروبات کا شان دار صاف ستھرا انتظام رکھا گیا۔ لہٰذا اس ہوٹل کا نام بکنے لگا۔

اب بے شمار مزدوروں کی دیکھ ریکھ بھی محمود ہی کے سر آئی۔ محمود اپنے گانو کے اس آدمی کے احسان کو بھولا نہ تھا جس نے رحم کھا کر محمود کو اس ہوٹل میں رکھوایا تھا۔ محمود نے اس کو سپروائزر کی حیثیت دلوا دی تھی۔ اس لیے وہ بھی حاجی صاحب کا اور محمود کا سچا بہی خواہ تھا۔

محمود نے آہستہ آہستہ ایم۔ اے کر لیا۔ لیکن وہ حاجی جی کا اتنا احسان مند اور شکر گزار تھا کہ اپنے طور پر وہ اپنے مستقبل کے لیے نہ کچھ سوچتا تھا اور نہ کسی لالچ میں پڑ کر کوئی دوسری ملازمت کی تلاش میں تھا۔

یہ کام حاجی صاحب کا دماغ کر رہا تھا۔

ایک روز محمود کو حاجی صاحب نے اپنے گھر پر بلایا۔ کلیم میاں بھی آئے ہوئے تھے۔

حاجی صاحب نے کہلایا۔

"محمود! کلیم میاں کو لے کر گھر پر آؤ!"

دونوں حاجی صاحب کے فلیٹ پر پہنچے۔

حاجی صاحب نے بڑی عزت سے محمود اور کلیم میاں کو بٹھایا۔ اپنے ساتھ کھانا کھلایا۔

عبدالشکور (محمود کے گانو کے آدمی) کو بھی بلوایا۔ اور تب وہ کہنے لگے

"بیٹے محمود! اگر کلیم میاں اور شکور میاں کی بھی رائے ہو تو میری ایک تجویز ہے۔ یا اسے میرا حکم سمجھو تو کہوں۔"

محمود نے کہا "آپ کو حکم دینے کا حق ہے۔ آپ حکم دیں، میں اس کی تعمیل کو سعادت سمجھوں گا۔ آپ نے میری تعلیم و تربیت میں وہ کچھ کیا جو میرے مجبور باپ نہ کر سکتے تھے۔ میرا رواں رواں تا زندگی آپ کا احسان مند اور غلام رہے گا۔"

حاجی صاحب "ایسا نہ کہو۔ یہ سب خدا کی رحمت ہے۔ میں تو میاں عبدالشکور کا احسان مند ہوں کہ انھوں نے تم جیسے نیک، شریف اور خوش اخلاق محنتی لڑکے کو مجھ تک پہنچایا۔

خیر! یہ باتیں تو بعد کو ہوتی رہیں گی۔ اس وقت مجھے صرف یہ کہنا ہے کہ تعلیم ایک بڑا جوہر ہے اور تم کو اس کے

حاصل کرنے کا شوق بھی ہے۔ میری بھی خواہش تھی کہ میرا کوئی لڑکا ہوتا اور میں اُس کو اعلا تعلیم و تربیت دلوا کر اپنے دل کا حوصلہ نکالتا۔ لیکن اللہ کی مرضی۔ ایک ہی لڑکا تھا اور کالج جاتے ہوئے حادثے کا شکار ہو گیا۔ میں نے صبر کیا اور اپنے رحیم و کریم معبود کا کبھی شکوہ نہ کیا اور یہی کہہ کر اپنے دل کو ڈھارس دی کہ اللہ کا کوئی کام مصلحت سے خالی نہیں ہوتا۔

بہرحال چوں کہ تم نے نہایت ایمان داری سے کام کیا اور وہ کر دکھایا جو ایک سعادت مند بیٹا ہی کر سکتا تھا۔ اس لیے تم پر اور وقتاً فوقتاً تمھارے گھر کی امداد پر جو رقم میں نے دی وہ میرا انعام تھا۔ تمھاری تنخواہ پائی پائی بینک میں جمع ہے جو ایک لمبی رقم ہے۔ میرا حوصلہ بھی پورا ہوا اور تمھارا کام بھی بنے۔ میں نے انتظام کر دیا ہے۔ تم کلیم میاں اور عبدالشکور میاں کے ساتھ پندرہ دن کے لیے گھر جاؤ اور سب سے رخصت ہو کر پندرھویں دن چلے آؤ۔ تم کو بغرض تعلیم لندن جانا ہے۔ تین سال کی بات ہے۔ تمھارے آنے تک ہم اور عبدالشکور یہاں کا کام سنبھال لیں گے۔

یاد رکھو! تم کو واپس آ کر اور بھی اونچے پیمانے پر تجارت ہی کو سنبھالنا ہے۔ تمھاری تعلیم کی غرض ملازمت نہ ہوگی بلکہ روشن خیالی، تجربہ، بزنس اصول اور حوصلہ مندی ہوگی۔ اور ملک و ملت اور اپنے پیارے دین کی خدمت کے لیے تم کو جو دین اور دین داری سے لگاؤ ہے اس میں اور زیادہ غلبہ ہونا چاہیے۔ اُمید ہے کہ تم اپنے دین اور کردار کی لاج رکھو گے اور آؤ گے تو میرے لیے ایک چمک دار ہیرا بن کر آؤ گے۔"

سب گم صُم بیٹھے تھے۔ محمود کے خواب و خیال میں بھی لندن کی بات نہ آئی تھی۔ وہ چھچھورا نہ تھا۔ اُس نے اس خوش خبری پر کسی ہلکے پن کا مظاہرہ نہ کیا۔ کہا تو صرف اتنا کہا۔

"میرا مقصودِ زندگی تو صرف آپ کے حکم کی تعمیل ہے، لیکن ایک ہی خیال میرا دامن کھینچتا ہے کہ اس وقت اللہ کے فضل سے کام اتنا کچھ بڑھ چکا ہے کہ اس عمر میں آپ کو آرام کی زیادہ ضرورت ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ سب کچھ سنبھال لیں گے۔ مگر میں اپنے دل کو کیا کہہ کر سنبھالوں۔"

"تم اس کی فکر نہ کرو۔ عبدالشکور بھائی ہیں نا" پہلی بار حاجی صاحب نے عبدالشکور کو بھائی کہہ کر اُن کی عزت بڑھا دی۔ عبدالشکور بھائی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے یہ بھی محمود کی ایمان داری اور نیکی کا کرشمہ تھا "ہم اور وہ مل کر ہر طرح تمھاری اسکیم کے مطابق دیکھ ریکھ کر لیں گے۔ تم اللہ کا نام لے کر سب کی دعاؤں کی چھاؤں میں سدھارو۔ گھر جانے کے لیے میں نے تمھارے اور عبدالشکور میاں کے واسطے سب انتظامات کر دیے ہیں۔"

یہ محمود کی نیکی، محنت اور ایمان داری کا صلہ تھا جو اُس کی کم عمری ہی کے زمانے میں مل گیا اور اللہ کے حکم سے محمود کے پڑوسی عبدالشکور میاں نے کلکتے میں اسے بھٹکنے اور بہکنے نہ دیا۔ اور حاجی جی کی خدا ترسی نے اُسے کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ ورنہ غریب محمود تو خواب میں بھی لندن کو نہ دیکھ سکتا تھا اور نہ اس ترقی کا خیال ہی اپنے دل و دماغ میں لا سکتا تھا۔

محمود گھر جا کر پندرھویں دن سب سے رخصت ہو کر کلیم اور عبدالشکور میاں کے ساتھ کلکتے واپس آیا اور ہنسی خوشی لندن سدھار گیا۔ اب عبدالشکور میاں کے دن بھی پھر چکے تھے۔

کلیم میاں جب گھر آنے لگے تو حاجی صاحب نے اُن سے کہا۔ "آپ جا رہے ہیں چند دنوں میں میاں عبدالشکور جائیں گے اپنا اور محمود کا مکان تعمیر کرا دیں گے۔"

یہی ہوا کچھ دنوں میں ان دونوں آدمیوں کا مکان گانو میں سب سے اچھا خصوصاً محمود کا مکان بڑا شان دار تھا۔

دو سال کے بعد ایک بار خود حاجی صاحب محمود کے گھر آئے اور پندرہ بیس بیگھے زمین خرید کر دے گئے

اور پانچ بیگھے شکور میاں کے لیے۔ شکور میاں کو دل سے اعتراف تھا کہ اُن کے دن محمود کی بدولت پھرے۔

محمود اپنی تعلیم مکمل کر کے قانون کی ڈگری لے کر اور تجارت کی اعلا تعلیم حاصل کر کے ہندستان واپس آیا تو حاجی صاحب نے سب کچھ اس کے حوالے کر دیا اور اُس نے تجارت کو نئے اصولوں کے تحت ایک ہی دو سال میں بہت پھیلا دیا۔ اور نہایت بلندی پر پہنچا دیا۔

چوں کہ وہ ایک پڑھا لکھا قانون داں اور تجارتی گُروں سے واقف، پبلی سٹی اور اشتہار بازی کا ماہر بن کر آیا تھا اِس لیے بہت جلد اس نے ترقی کے راستے ڈھونڈ نکالے۔

حاجی صاحب کے پاس روپے کی کمی نہ تھی اور محمود کے پاس دماغ تھا۔ دونوں نے اپنا اپنا اثر دکھایا۔

علم ہر میدان میں اپنا گھوڑا دوڑا دیتا ہے۔ ایک پڑھا لکھا آدمی جنگل میں بھی منگل منا سکتا ہے۔ پہلے بھی گھریلو ہنر تھے۔ دست کاریاں تھیں لیکن وہ گھروں اور خاندان سے آگے نہ بڑھیں اور نہ وہ خوش حالی لا سکیں جو آج صنعت کی بدولت حاصل ہیں۔ یہ علم اور سائنس کی برکت ہے۔

حاجی صاحب کے یہاں ایک لڑکی کے علاوہ اور کوئی اولاد نہ تھی۔ اولادیں تو ہوئیں بہت سی لیکن اس آخری بچی کے سوا اور کوئی زندہ نہ رہی۔ لڑکی نے بھی بی اے کر لیا تھا۔ یہ محمود سے پانچ سات برس چھوٹی تھی۔ شکور میاں کے ذریعے محمود کی بہنوں کے پاس پیغام گیا۔ اس سے بڑی مُراد اور کیا ہو سکتی تھی۔ کلیم میاں آئے۔ حاجی صاحب سے کہا کہ محمود تو آپ ہی کا ہے آپ ہی سب کچھ ہیں جو بہتر ہو کیجیے۔

حاجی صاحب نے شکریہ ادا کیا اور ایک ساعت سعید میں یہ تقریب سادگی سے انجام پا گئی۔ نمود و نمائش سے دور تعلیمی اداروں، یتیم خانوں اور دوسری رفاہی انجمنوں میں بہت کچھ دیا گیا۔ محمود کی بھی یہی خواہش تھی اور حاجی صاحب بھی یہی چاہتے تھے۔

آج محمود اور حاجی صاحب کا نام سب کی زبانوں پر ہے۔

محنت، ایمان داری اور علم زندہ باد!

نیا ترانہ

مومن خان شوق

نئے راستے ہیں نئی منزلیں ہیں
اُجالوں سے نکھری ہوئی محفلیں ہیں
نہ رُکنا، قدم اور آگے بڑھانا
ترقی کی راہوں پہ دیپک جلانا

نئے راستے ہیں نئی منزلیں ہیں
اجالوں سے نکھری ہوئی محفلیں ہیں
فلک کے ستارے زمیں پر بچھاؤ
چلو اپنی دھرتی پہ چاندی اگاؤ

نئے راستے ہیں نئی منزلیں ہیں
اُجالوں سے نکھری ہوئی محفلیں ہیں
چلو اس طرف کو جدھر روشنی ہے
بہاروں سے مہکی ہوئی زندگی ہے

نئے راستے ہیں نئی منزلیں ہیں
اُجالوں سے نکھری ہوئی محفلیں ہیں
مقدّر سویرے سے اپنا سنوارو
کھلا پرچمِ جشنِ جمہور یارو

نئے راستے ہیں نئی منزلیں ہیں — اجالوں سے نکھری ہوئی محفلیں ہیں

۲۶۴ - سی۔ ملے پلی۔ حیدرآباد ۵۰۰۰۰۱

شاداں پرویز

شمسی توانائی

بچو! آپ نے آتشی شیشے کا کھیل تو دیکھا ہی ہوگا۔ ہاں یہ آتشی شیشہ وہی ہوتا ہے جس کو سورج کے سامنے رکھتے ہیں اس میں سے دھوپ گزر کر ایک خاص نقطے پر آ کر اتنی تیز ہو جاتی ہے کہ اگر ہم وہاں کوئی کاغذ رکھ دیں تو وہ کاغذ جل جائے گا۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ یہ کاغذ کیوں جلا؟ آتشی شیشے کے سامنے کاغذ کے جلنے کی وجہ یہ ہے کہ شیشے سے سورج کی کرنیں ایک جگہ جمع ہو جاتی ہیں اور جمع ہونے سے ان میں اتنی طاقت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ کاغذ کے اس حصے کو جلا دیتی ہیں جس پر وہ پڑتی ہیں۔ آپ لوگ بھی آتشی شیشے سے کاغذ کو جلا کر دیکھیے مگر دیکھیے اس بات کا خیال رکھیے کہ کہیں آپ آتشی شیشے کو اپنے بدن کے کسی حصے کے سامنے رکھ کر نہ دیکھیے ورنہ وہ بھی جلنے لگے گا۔ اس سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ سورج کی روشنی میں کتنی طاقت ہوتی ہے۔

ہاں تو اسی طاقت کو ہم استعمال میں لائیں تو اس سے مختلف کام لیے جا سکتے ہیں۔ آج جو بھی کام مٹی کا تیل، پٹرول، کوئلہ، لکڑی اور بجلی سے لیے جاتے ہیں یہ سارے کام سورج کی توانائی سے لیے جا سکتے ہیں اور بچو! آپ کو معلوم ہی ہوگا کہ اب ہماری زمین کے اندر بہت تھوڑا پٹرول، مٹی کا تیل اور کوئلہ رہ گیا ہے اور پٹرول زیادہ سے زیادہ پچیس تیس سال تک ہمارا ساتھ دے سکتا ہے۔ اس وجہ سے اب ہمیں کسی ایسی چیز کی ضرورت ہے جس سے کہ بغیر پٹرول کے ہمارے جہاز اڑ سکیں راکٹ اڑ سکیں، بغیر بجلی کے ہمارے گھر میں سارے بلب روشن رہیں۔ گرمیوں کے موسم میں کمروں کو ٹھنڈا کرنے کے لیے کولر چلیں، فرج چلیں، ہمارا تمام کھانا بغیر بجلی یا کوئلے اور لکڑی کے پکے اور بغیر پٹرول یا ڈیزل کے ہماری کاریں چلیں جو نہ دھواں دیں اور نہ آواز، بغیر کسی ایندھن کے ہماری بسیں اور ریل گاڑیاں چلیں۔ ابھی تو یہ باتیں آپ کو بالکل پرستان کی معلوم ہو رہی ہوں گی مگر بہت جلدی یہ دن آنے والا ہے۔ کیونکہ آج کل ہمارے سائنس داں اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ ہم سے پہلے ہماری ضروریات معلوم کر لیتے ہیں۔ اس وجہ سے جو کام بجلی اور پٹرول سے لیے جا رہے ہیں وہ سب سورج کی توانائی سے لیے جائیں گے۔

ویسے یہ بات نہیں ہے کہ ہم سورج کی توانائی سے کوئی کام نہیں لے رہے ہیں۔ سورج کی توانائی کا استعمال تو زمین پر اس دن سے ہو رہا ہے جس دن سے اس پر زندگی شروع ہوئی ہے۔ ہم اپنی بہت سی چیزیں دھوپ میں رکھ کر سکھاتے ہیں۔ ہم لکڑی سکھا کر اسے جلانے کے قابل بناتے ہیں۔ ہمارے کسان اناج کو دھوپ میں سکھا کر اسے گوداموں میں رکھتے ہیں۔ ہم ہری مرچوں کو سکھا کر انھیں لال کر لیتے ہیں اور وہ بہت دنوں تک محفوظ رکھی جا سکتی ہیں۔ مگر یہ طریقہ بہت پرانا ہے۔ اب تو سورج کی توانائی سے چلنے والی ایک ایسی مشین ایجاد ہو چکی ہے جو دو تین دن میں مرچیں سکھاتی ہے۔ زیادہ دن دھوپ میں رکھنے سے بہت سی مرچیں سڑ گل بھی جاتی تھیں اور ان پر گندگی بھی جم جاتی تھی۔ اس مشین

اردو گھر - یونیورسٹی مارکٹ - علی گڑھ

میں نہ کوئلہ خرچ ہوتا ہے اور نہ بجلی بس سورج کی روشنی سے سارا کام ہوتا ہے۔

پہلے جغرافیہ کے استاد پڑھاتے تھے کہ جب بادل پہاڑوں سے ٹکراتے ہیں تو بارش ہوتی ہے مگر یہ بات بالکل غلط ہے بارش ہونے میں بھی سورج ہماری مدد کرتا ہے۔ سورج کی گرمی سے سمندر کی اوپری سطح کا پانی بھاپ بن کر اُڑتا ہے اور بادلوں کی شکل لے لیتا ہے۔ پھر جب یہ بادل ٹھنڈے ہوتے ہیں تو پانی کی بوندوں میں بدل جاتے ہیں اور بارش ہوتی ہے۔ بارش ہمارے لیے بے حد ضروری ہے۔ یہ ہماری کھیتی کو بڑا فائدہ پہنچاتی ہے۔

جرمنی کے ایک سائنس داں نے تو ایک ایسا ریڈیو بھی بنایا تھا جو کہ سورج کی گرمی سے چلتا ہے۔ اس میں بیٹری یا بجلی کا تار لگانے کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ یہ بجلی سے کام نہیں کرتا۔ اس کو تو سورج کی دھوپ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس ریڈیو کو چلانے کے لیے بس ایک کام کرنا پڑتا ہے وہ یہ کہ اس ریڈیو کے پچھلے حصے کو کھول کر دھوپ میں رکھنا پڑتا ہے۔ اس میں ایک ایسی چھوٹی سی مشین لگی ہوتی ہے جو کہ سورج کی گرمی اکٹھا کر کے اپنا کام کرتی ہے۔ یہ مشین بہت چھوٹی ہوتی ہے بالکل سگریٹ کی ڈبیہ کے برابر۔

سورج کی توانائی سے ٹیلی فون بھی لگائے گئے ہیں اور اُس سے ٹیلی وژن بھی چلایا گیا ہے۔ اب دھیرے دھیرے سورج کی توانائی کا استعمال عام ہو رہا ہے۔ ہمارے ملک میں بھی ایک سائنس داں نے سورج کی توانائی سے چلنے والا ایک انجن ایجاد کیا تھا اور کھیتوں میں پانی دینے کا ایک پمپ بھی ایجاد ہو چکا ہے۔ اس پمپ کی مدد سے پانی زمین کے اندر سے کھینچا جا سکتا تھا۔ مگر اس کا استعمال عام اس وجہ سے نہیں ہوا کیونکہ اس طرح پانی کھینچے جانے پر خرچ بہت آتا تھا۔ ویسے اس سے پہلے ہی یہ پمپ مصر میں ایجاد ہو چکا تھا۔ مصریوں نے اس پمپ کو دریائے نیل کے کنارے لگا رکھا تھا۔ اس سے دریائے نیل کا پانی کھینچ کر دور دور کھیتوں میں بھیجتے تھے۔ اس کے بعد امریکہ نے بھی اس میں دلچسپی لی اور انھوں نے بھی ایک ایسا پمپ اب سے ستر سال پہلے بنایا۔

سائنس دانوں نے سورج کی توانائی سے چلنے والی کار بھی ایجاد کی ہے۔ یہ کار نہ دُھواں دیتی ہے اور نہ آواز دیتی ہے دھواں یہ اس وجہ سے نہیں دیتی کیونکہ اس میں نہ پٹرول خرچ ہوتا ہے اور نہ ڈیزل۔ پٹرول سے چلنے والی کاروں سے جو دھواں خارج ہوتا ہے وہ کاربن کہلاتا ہے۔ یہ ہماری فضا کو گندا کرتا اور صحت کے لیے نقصان دہ ہوتا ہے۔ سورج کی توانائی سے جو کار چلتی ہے اس میں آٹھ بیٹریاں لگائی جاتی ہیں۔ یہ بیٹریاں کار کی چھت پر لگا دی جاتی ہیں تاکہ سورج کی دھوپ اُن پر سیدھے طور پر پڑے۔ یہ بیٹریاں سورج کی روشنی میں چارج ہوتی رہتی ہیں مگر اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ یہ کاریں رات کو نہیں چلتی ہیں۔ یہ بیٹریاں جو اس کار میں لگتی ہیں شمسی بیٹریاں کہلاتی ہیں۔ یہ بیٹریاں سورج کی روشنی سے اتنی طاقت کھینچ لیتی ہیں جس سے وہ کار اُس وقت بھی چلتی ہے جب دھوپ نہیں ہوتی اور ہم رات کو بھی کار چلا سکتے ہیں۔

سورج کی توانائی سے جاڑوں میں گھروں کو گرم کرنے کا تجربہ بھی کیا گیا ہے۔ مگر اس کے لیے خاص طرح کے گھر بنانے چاہییں۔ یہ گھر پانی کے تالاب میں تیرتے ہیں اور اُن کی چھت پر ایک شیشہ لگا ہوتا ہے جو کہ سورج کی طرف رہتا ہے۔ گھر کی چھت اپنے اندر حرارت کو جذب کرتی رہتی ہے اور اس سے گھر گرم رہتا ہے۔ اس میں نہ بجلی خرچ ہوتی اور نہ ایندھن خرچ ہوا۔ مگر اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ سورج کی توانائی بالکل مفت ہی پڑے گی۔ نہیں بچو اس کا حاصل کرنا آسان نہیں ہے۔ جس طرح پٹرول زمین میں ہوتا ہے۔ اُس کے دریا بہتے ہیں لیکن زمین سے اس کو نکالنا آسان نہیں ہے۔ اس پر خرچ بھی بہت آتا ہے۔ مزدور اُسے نکالتے ہیں اور پھر اُسے دور دور پہنچایا جاتا ہے۔ یہی سورج کی توانائی کا بھی معاملہ ہے۔ دیکھنے میں تو مفت کی لگتی ہے لیکن اسے استعمال کرنے کے لیے جو بھٹیاں بنائی جائیں گی ان پر بڑا خرچ آئے گا۔ ہمارے سائنس دانوں کو یہ بات بہت پہلے سے معلوم تھی کہ سورج کی توانائی سے کتنے کام لیے جا سکتے ہیں

لیکن اِنھوں نے اس پر زیادہ توجہ نہیں دی تھی کیونکہ اِس وقت دوسرے ایندھن بہت سستے تھے لیکن اب یہ بہت مہنگے ہو گئے ہیں اس وجہ سے سائنس دانوں کا خیال ہے کہ اگر اِس پر ایک بار روپیا خرچ کر دیا گیا تو پھر یہ ہمیں بہت سستی پڑے گی۔

اب ہم کو اندازہ ہو رہا ہے کہ سورج کی توانائی کا زمانہ بہت جلد آنے والا ہے اور ہم روز بروز اُس کے قریب آتے جا رہے ہیں۔ روز پتا چلتا ہے کہ سورج کی توانائی سے چلنے والی کوئی اور نئی چیز ایجاد ہو گئی۔ اِس سے ٹیلی فون لگائے گئے ہیں، ٹیلی وژن چلائے گئے ہیں، کولر اور ایر کنڈیشنز چلائے گئے ہیں، چولھے اور کاریں بنی ہیں۔ ہوائی جہاز اور راکٹ اُڑائے گئے ہیں، ریل گاڑیاں چلائی گئی ہیں۔ مگر ابھی تک یہ چیزیں عام نہیں ہوئی ہیں۔ ہم اُمید کرتے ہیں کہ بہت جلد ہی سورج کی توانائی عام ہو جائے گی اور دنیا کے بہت سے ملک اِس کو استعمال کرنے لگیں گے۔ سورج کی توانائی سے ہمیں بہت سی آسانیاں ہوں گی اور دنیا میں ایک نئے دور کا آغاز ہو گا۔ آیئے ہم اور آپ بھی اُس دور کے استقبال کی تیاریاں کریں۔

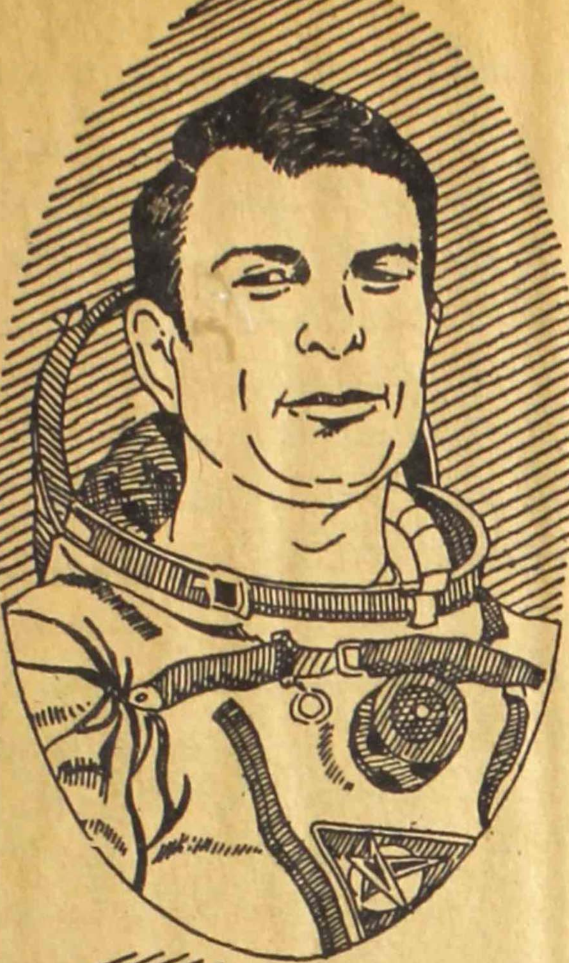

کرنل یوری ملائی شیف

خلائی مسافر

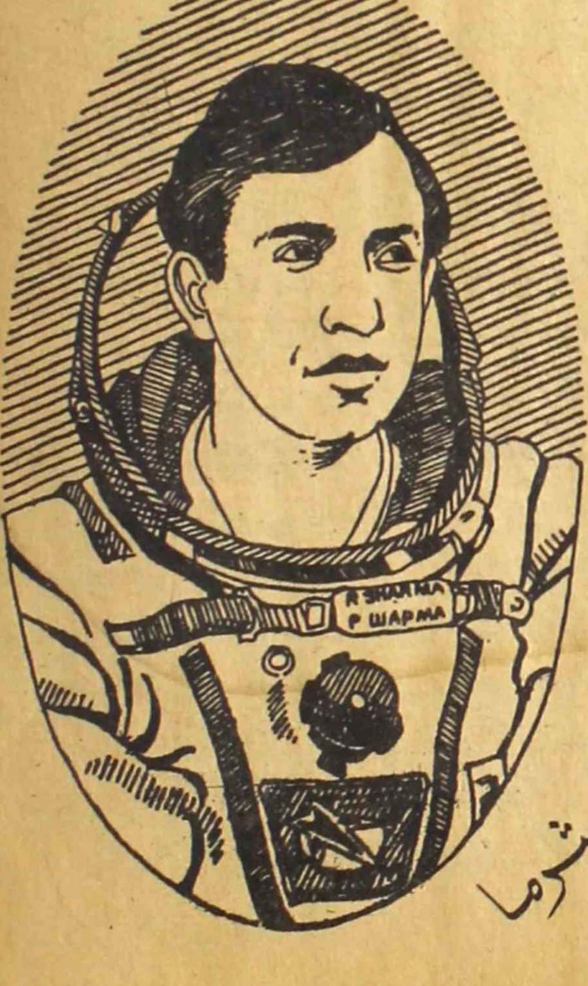

راکیش شرما

گیناڈی شریکالوف

عالیہ آصف

معصوم بچی

کراچی بہت بڑا شہر ہے۔ شہر کے لحاظ سے آبادی بھی زیادہ ہے، لیکن آبادی کے لحاظ سے بسوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے۔ اسی لیے اگر ایک بس میں چالیس افراد کی گنجایش ہو وہاں ساٹھ ستر افراد بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔

آج بھی جب میں نے نرسری جانے کے لیے بس پکڑی تو بس پوری بھری ہوئی تھی۔ بڑی مشکل سے کھڑے ہونے کی جگہ ملی۔ کھچا کھچ بھری ہوئی بس میں بے حد گرمی تھی۔ جب بس چلی تو ہوا آنی شروع ہوئی اور حالت بہتر ہوتے ہی میں نے مسافروں کا جائزہ لینا شروع کیا۔ میرے سامنے والی سیٹ پر چار طالبات کالج کی یونیفارم پہنے، ہاتھ میں کتابیں پکڑے بیٹھی باتوں میں مصروف تھیں۔ ان کے دائیں طرف دروازے کے بعد والی سیٹ پر ایک برقع پوش خاتون بیٹھی تھیں۔ ان کے ساتھ ایک خاتون اپنے دو بچوں کے ساتھ تشریف فرما تھیں۔ ان کے ساتھ ایک معصوم بچی جس کی عمر یہی کوئی آٹھ نو سال ہوگی بیٹھی ہوئی تھی۔

اسی اثنا میں بس دوسرے اسٹاپ پر پہنچ کر رک گئی۔ اس اسٹاپ پر چڑھنے والوں میں ایک معمّر اور ضعیف خاتون سوار ہوئیں۔ نقاہت کا یہ عالم تھا کہ بس کا ڈنڈا بھی تھام نہیں سکتی تھیں۔ میں نے چاروں طرف نظر دوڑائی کہ ہو سکتا ہے کوئی با اخلاق شخص ان معمّر خاتون کے لیے اپنی سیٹ چھوڑ دے۔

میں نے ان طالبات کی جانب دیکھا۔ ماشاءاللہ اچھی صحت مند تھیں۔ اگر وہ چاہتیں تو وہ اپنی سیٹ خالی کر کے انھیں دے سکتی تھیں، لیکن انھوں نے معمّر خاتون کو نظر انداز کر دیا بلکہ سیٹ پر اور پھیل کر بیٹھ گئیں کہ مبادا ان خاتون کے بیٹھنے سے اُن کی یونیفارم کی استری نہ خراب ہو جائے۔

بس میں بیٹھی ہوئی تمام خواتین مسافر تن درست و توانا تھیں، مگر ان میں سے کسی کو بھی اتنی زحمت گوارا نہ ہوئی کہ وہ اُٹھ کر اپنے اخلاقی فرض کو پورا کریں۔ مجھے دلی رنج ہوا کہ آج ہم لوگ اپنے پیارے رسولؐ کی پاک سیرت کو اور آپؐ کے نقشِ قدم کو صرف پڑھنے کی حد تک جانتے ہیں۔ حضورؐ نے ہمیں جو سبق دیا ہے وہ ہم نے یاد تو کر لیا ہے، لیکن اس پر عمل کرنے کا کبھی ارادہ نہیں کیا۔

میں نے ایک خاتون سے کہا کہ وہ تھوڑی سی سمٹ جائیں اور ان کم زور خاتون کو اپنے ساتھ بٹھالیں، لیکن انھوں نے جگہ کی کمی کا عُذر کر کے معذرت کر لی۔

وہ خاتون اپنی ساتھ والی خاتون سے مسلسل باتیں کر رہی تھیں۔ وہ آج کل کی نوجوان نسل اور بچوں کی شکایت کر رہی تھیں۔ ان کے خیال میں آج کل کے بچوں میں

احساسِ ذمّے داری بالکل موجود نہیں ہے۔ ان کی یہ بات سُن کر میں نے دل میں سوچا، کیا یہ ان کی اخلاقی ذمّے داری نہیں ہے کہ وہ معمّر خاتون کو بیٹھنے کا موقع دیں۔ کیا یہ ان کی فرض سے کوتاہی نہیں، لیکن انھیں اپنی ذمّے داری کا کوئی احساس نہیں تھا۔ انھوں نے ایک نظر ضعیف خاتون کی طرف دیکھا اور پھر باتوں میں مصروف ہو گئیں۔

ان سے مایوس ہو کر میری نظر برقع پوش خاتون کی جانب اُٹھی۔ انھوں نے بھی معمّر خاتون پر صرف ایک نظر ڈالنا کافی خیال کیا اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگیں۔ میں نے اُن خاتون کی طرف دیکھا جو برقع پوش خاتون کے ساتھ بیٹھی تھیں۔ وہ نگاہیں چُرا کر اپنی بچّی کی فراک ٹھیک کرنے لگیں۔ آخر تھک ہار کر میں نے ایک خاتون سے درخواست کی کہ مہربانی کر کے وہ اپنی سیٹ ان معمّر خاتون کے لیے چھوڑ دیں۔ ان کا ٹکا سا جواب مجھے یوں ملا، "واہ جی! ہم کیوں چھوڑیں اپنی سیٹ؟ ہم نے بھی تو ٹکٹ کے پیسے خرچ کیے ہیں۔" میں نے ناامید ہو کر اپنی کوشش ترک کر دی۔

اتنے میں مجھے ایک معصوم مترنم آواز سنائی دی،

"باجی، آپ اماں جی کو میری سیٹ پر بیٹھا دیں۔"

میں نے مُڑ کر دیکھا۔ یہ وہی معصوم بچّی تھی جو عمر میں تو کم تھی، لیکن اخلاق میں سب سے بلند تھی اور بس میں بیٹھے ہوئے تمام لوگوں کے مقابلے میں اچھی انسان تھی۔

(بہ شکریہ نونہال کراچی)

صحت کے ۹۹ نکتے

مسعود احمد برکاتی

برکاتی صاحب واحد ادیب ہیں جنھوں نے بچوں کو صحت مند، مہذب، بالغ نظر اور تعلیم یافتہ بنانے کے لیے اپنی زندگی وقف کر دی ہے۔ "صحت کے ۹۹ نکتے" پڑھنے کے بعد شاید آپ کو ڈاکٹر کے پاس جانے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔

قیمت 1/50

بابا ناصح

ڈاکٹر رشید الوحیدی

ایک بڑے میاں ہر ایک کو کچھ نہ کچھ نصیحت ہی کیا کرتے تھے۔ بچے انھیں "بابا ناصح" کہتے ہیں۔ بابا ناصح ہر ایک سے تین سوال کیا کرتے۔ وہ سوال کیا تھے؟ پڑھنے ہی سے پتا چلے گا۔ مگر تھے دل چسپ۔

قیمت ۲/۰

راستہ بتائیے

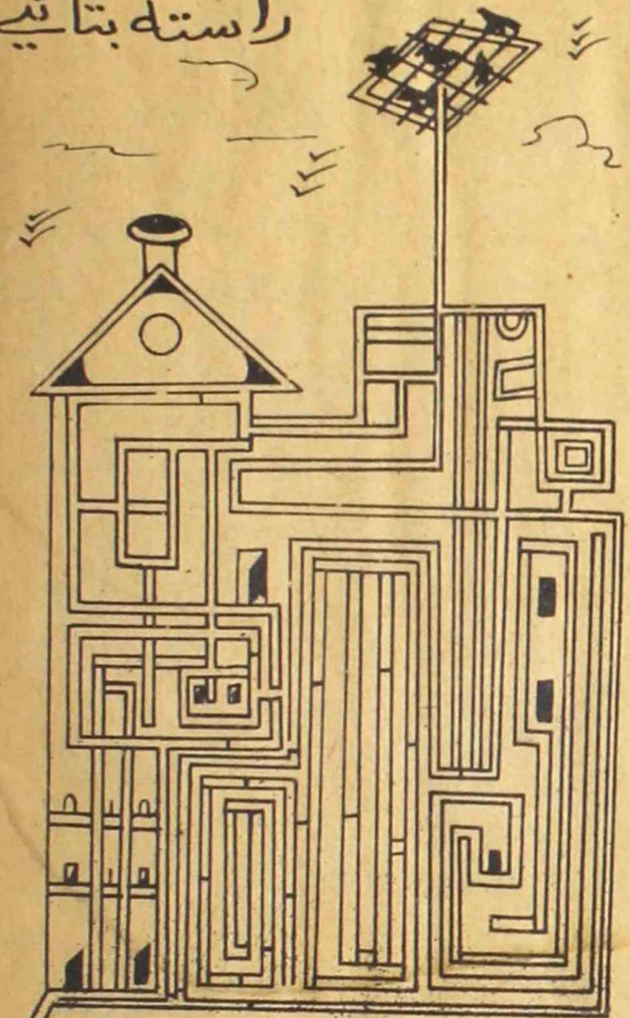

بچّو! یہ پرندہ اپنے ساتھیوں سے بچھڑ گیا ہے آپ ان کو راستہ بنا کر ان کی مدد کیجیے

رحمان حمیدی

چوری کا انعام

قمرالدین بہت ہی نیک، رحمدل اور عقل مند درزی تھا۔ وہ صبح سے شام تک محنت کرتا اور اپنا اپنے بیوی بچوں کا پیٹ پالتا۔ آدمی سیدھا سادہ تھا۔ اس لیے اس کی آمدنی بھی کچھ زیادہ نہ تھی۔ بس اتنی آمدنی تھی کہ کسی طرح گزر ہو جاتی تھی۔ اور کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت نہ پڑتی۔ وہ اپنے گاہکوں کا بہت خیال رکھتا تھا کپڑے سی کر وقت پر دے دیتا تھا۔ اس کے سبھی گاہک اس سے بہت خوش تھے۔ وہ بہت رحم دل تھا۔ کبھی کسی بھوکے کو کھانا کھلا دیتا۔ کبھی کسی غریب کے لیے کپڑے بنوا دیتا۔ کبھی کسی طالب علم کے لیے کتابیں خرید دیتا۔ قمرالدین اس حال میں خوش تھا۔ خدا نے اسے صرف ایک اولاد دی تھی۔ اس کے بیٹے کا نام محمد علی تھا۔ وہ چوتھے کلاس کا طالب علم تھا۔

ایک دن وہ اپنی دکان کھولنے کے لیے آ رہا تھا کہ اس کی نگاہ ایک لڑکے پر پڑی۔ وہ فٹ پاتھ پر بیٹھا رو رہا تھا۔ پوچھ تاچھ پر پتا چلا کہ وہ لاوارث ہے۔ اس کے ماں باپ بھکاری تھے۔ فٹ پاتھ پر سوتے تھے۔ گہری برف باری ہوئی۔ انھیں ٹھنڈ لگ گئی۔ ٹھنڈ کی وجہ سے ان کا انتقال ہو گیا۔ قمرالدین نے بچے کو بہت پیار کیا۔ اس کی عمر تقریباً سات آٹھ برس ہوگی۔ وہ بچے کو اپنے ساتھ لے آیا اور دکان پر درزی کا کام سکھلانے لگا۔ قمرالدین نے اس کا نام رستم علی رکھا۔ رستم علی آہستہ آہستہ کاج بٹن کا کام سیکھنے لگا۔ رستم علی اور محمد علی کے درمیان بہت جلد گہری دوستی ہو گئی۔ دونوں ایک ساتھ کھیلتے کودتے اور ہمیشہ ساتھ ساتھ رہتے۔ دونوں صبح سویرے اٹھتے، منہ ہاتھ دھوتے ناشتہ کرتے اور اپنے اپنے کام میں لگ جاتے۔ رستم علی دکان پر آ جاتا اور محمد علی اسکول چلا جاتا۔

چند برسوں کے بعد —!

قمرالدین بیمار پڑ گیا۔ اسے جاڑا اور بخار آ گیا۔ قمرالدین کے پاس جو روپے تھے وہ علاج پر خرچ ہو گئے۔ ڈاکٹر نے قمرالدین کو دو ماہ آرام کرنے کا مشورہ دیا۔ اس کے پاس زیادہ رقم نہ تھی اس لیے وہ پریشان پریشان رہنے لگا۔ اسے پریشان دیکھ کر رستم بھی اور محمد علی دونوں پریشان ہو جاتے، دونوں کے چہرے پر اداسی آ جاتی دونوں اکثر کھوئے کھوئے رہتے۔

اسی زمانے کی بات ہے کہ محمد علی کے اسکول میں چوریاں ہونے لگیں۔ ہر روز کلاس سے لڑکوں کی کتابیں چوری ہونے لگیں۔ ماسٹروں نے چور کو پکڑنے کی بہت کوشش کی لیکن چور نہیں پکڑا جا سکا۔ چوری روز بروز بڑھتی ہی جا رہی تھی اس لیے ہیڈ ماسٹر نے سبھی لڑکوں کو جمع کر کے اعلان کیا کہ جو طالب علم کتاب، کاپی اور قلم چوری کرنے والے کو پکڑ کر لائے گا اسے سو روپے انعام کے طور پر دیے جائیں گے۔

نہرو میموریل کالج۔ گوموہ (بہار)

یہ بات محمد علی نے رستم علی کو بتائی اور دونوں نے مشورہ کیا کہ ایک چور بن جائے اور دوسرا اسے پکڑ کر ہیڈ ماسٹر کے پاس لے جائے اور انعام حاصل کرے تاکہ قمرالدین کی کچھ خدمت کی جا سکے۔ دونوں نے فیصلہ تو کر لیا لیکن اس بات پر لڑائی ہونے لگی کہ کون چور بنے۔ ہر ایک یہی چاہتا تھا کہ وہ چور بنے۔ دونوں میں بہت دیر تک بحث ہوئی۔ رستم علی بہت زیادہ اصرار کر رہا تھا۔ اس نے سمجھایا۔

"محمد علی" تم ان کی اولاد ہو، تم اگر چور بنے تو انھیں اور زیادہ تکلیف ہوگی۔ میں ان کا لے پالک ہوں، میرے چور بننے اور جیل جانے کا انھیں غم کم ہوگا۔

محمد علی مجبور ہو گیا۔ وہ رستم کو لے کر ہیڈ ماسٹر کے پاس گیا۔ ہیڈ ماسٹر نے رستم کو چور سمجھ کر پکڑ لیا۔ سبھی اساتذہ رستم کو نفرت سے دیکھنے لگے۔ ہیڈ ماسٹر نے پولیس کو بلایا اور رستم کو ان کے حوالے کر دیا اور محمد علی کو انعام کی رقم دینے کا حکم دے دیا۔ لیکن ہیڈ ماسٹر نے دیکھا کہ محمد علی خوش ہونے کے بجائے رنجیدہ اور پریشان ہے۔ اس کا چہرہ کمھلایا ہوا ہے۔ ہیڈ ماسٹر کو شک ہو گیا۔ محمد علی دفتر سے انعام کی رقم لے کر چلا تو ہیڈ ماسٹر صاحب بھی پیچھے پیچھے چلے۔ محمد علی نے گھر پہنچ کر اپنے باپ کے ہاتھ میں روپے دیے تو وہ چونک پڑا۔ ابھی وہ پوچھنے ہی والا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ قمرالدین باہر آیا۔ اس نے ہیڈ ماسٹر صاحب کو دیکھ کر ادب سے سلام کیا اور بڑے احترام سے بٹھایا۔ محمد علی نے دونوں کے سامنے انعام حاصل کرنے کی ترکیب بتائی۔ ہیڈ ماسٹر صاحب پوری بات سن کر بہت اداس ہوئے۔ وہ اسی وقت تھانے گئے اور رستم علی کو چھڑا کر لے آئے اور یہ قصہ دوسرے ٹیچروں کو بھی سنایا۔ سبھی کو رستم علی اور محمد علی کے ساتھ ہمدردی ہو گئی۔ اسکول کے اساتذہ نے چندہ جمع کیا اور قمرالدین کی امداد کی۔ اس امداد سے قمرالدین نے اپنا علاج کرایا اور صحت مند ہو گیا۔

شربت رُوح افزا
سے تروتازگی حاصل کیجیے!

موسم گرما کی تپش، تھکاوٹ اور سستی کو "الوداع" کہیے، اور شربت رُوح افزا کے آغوشِ فرحت میں آجایئے!

☆ رُوح افزا ان حیاتیاتی عناصر کا قدرتی مخزن ہے، جو جسم میں نئی توانائی پیدا کر کے اسے سخت محنت کے قابل بنا دیتے ہیں۔

☆ شربت رُوح افزا میں سنترے اور انناس کے خالص رس کے ساتھ گاجر، تربوز، لوکی اور پالک وغیرہ کا ایکسٹریکٹ بھی شامل ہے، جن سے قدرتی وٹامنوں کا بیش بہا ذخیرہ حاصل ہوتا ہے۔

☆ رُوح افزا کی ہر بوتل میں ۷۵۰ ملی لیٹر شربت ہے، ساتھ ہی رُوح افزا کا قوام نہایت گاڑھا اور معیاری ہے، اس لیے یہ دوسرے شربتوں کے مقابلہ میں کم خرچ ہوتا ہے اور سستا بھی ہے۔

☆ رُوح افزا آپ کو گرمی، پیاس، لُو اور موسم گرما کی بہت سی تکلیفوں سے بچاتا ہے۔

شربت رُوح افزا
۷۵ سال سے زیادہ مدت کا
مشروبِ مشرق

ہمدرد شربت رُوح افزا
جڑی بوٹیوں، حیات بخش عناصر اور قدرتی وٹامنز کا نادر مرکب

8263

JUNE 84

PAYAM-I-TALEEM MONTHLY

علی نے اپنے دوست ولی کو بتایا ”دوست! میں آج کل جو خواب دیکھتا ہوں، وہ سچ ہو جاتا ہے۔“

”اچھا وہ کیسے؟“

”ابھی کل ہی کی بات ہے۔ درجہ میں مجھ کو نیند آ گئی نیند میں، میں نے خواب دیکھا کہ ماسٹر صاحب مجھے مار رہے ہیں ...... اور جب نیند کھلی تو دیکھا ماسٹر صاحب مجھ کو سچ مچ مار رہے تھے۔“ ●

ایک طیارہ آسمان پر بہت بلندیوں پر پرواز کر رہا تھا تبھی پائلٹ نے بہت زور زور سے ہنسنا شروع کر دیا۔ مسافروں نے وجہ دریافت کی تو کہنے لگا، ”مجھے اچانک یہ خیال آ گیا کہ جب پاگل خانے کے مالک کو یہ پتا چلے گا کہ میں وہاں سے بھاگ آیا ہوں تو ان کی کیا حالت ہوگی!“ ●

حامد اپنے چھوٹے بھائی کو گنتی پڑھا رہا تھا جیسے وہ بولتا ویسے ہی بچہ بولنے لگتا۔ تب حامد نے کہا کہ ”اچھا اب میں پوچھوں گا تو تم بتانا! نائن ...... یعنی“

”نائن کی بیوی!“ چھوٹے نے جواب دیا۔ ● شگفتہ ہنر

باپ (بیٹے سے) کئی مرتبہ منع کیا ہے کہ کتے کے کان مت کھینچو۔ اب اگر تم نے کتے کے کان کھینچے تو میں تمھارے کان کھینچوں گا۔

بیٹا: (معصومیت سے) ابو اگر میں نے اس کی دم کھینچی تب آپ کیا کریں گے۔ ● (شاہد رفیق)

ایک شخص جو اکثر ”ت“ کو ”ٹ“ بولتا تھا۔ اس کی اس حرکت کو دیکھ کر اس کی بیوی اس کے گھر آتے ہی رونا شروع کر دیتی۔

ایک دن وہ اپنی بیوی کو ڈاکٹر کے پاس علاج کرانے کی غرض سے لے گیا اور ڈاکٹر سے کہنے لگا کہ ڈاکٹر صاحب میں جب گھر ”آٹا“ ہوں تو یہ ”روٹی“ ہے۔ ●

نعیم (کریم سے): میرے والد صاحب نے بڑے بڑے امیروں کے گلے کاٹ ڈالے۔ لیکن آج تک پولیس نے ان کو نہیں پکڑا۔

کریم: لیکن تیرے والد ایسا کون سا کام کرتے ہیں کیا وہ جج ہیں۔

نعیم: نہیں۔ وہ ٹیلر ہیں۔ ●

ایک صاحب ہوٹل میں ناشتہ کرنے کے بعد چمچہ دھونے لگتے ہیں۔ ان کو دیکھ کر بیرہ کہتا ہے۔ ”صاحب یہ کام آپ کا نہیں ہے ہمارا ہے۔“

صاحب بولے: ”میں اپنی جیب خراب نہیں کرنا چاہتا۔“ ●

ایک شخص (ہوٹل کے نوکر سے) پانی کا گلاس لاؤ۔

نوکر: پانی کا گلاس نہیں ہے۔ اگر کہو تو کانچ کا گلاس لے کر آتا ہوں۔ ● (رحمت اللہ خاں)

استاد (شاگرد سے) تمھارے دیر سے آنے کا کیا سبب ہے۔

شاگرد: میں بہت تیزی سے بھاگ کر آ رہا ہوں اس لیے کوئی بہانہ سوچ نہ سکا۔ ● (زہرہ شاہد)

مالک (ملازم سے) تمھاری تنخواہ سو روپے ہے اور تم نے ایک سو بیس روپے کے برتن توڑ کر رکھ دیے ہیں۔

ملازم: بہتر ہوگا کہ میری تنخواہ ایک سو پچاس روپے کر دیجیے اس طرح آپ کا نقصان پورا ہو جائے گا۔ اور مجھے کچھ تنخواہ بھی مل جائے گی۔ ● (رومانہ متین)

آدھی ملاقات

پیام ملا، پڑھ کر خوشی ہوئی۔ مجھے یہ کہانیاں بہت پسند آئیں "عقل بڑی کہ بھینس،" "ایک تھا توتا" حقارت کی شرمندگی۔

محمد انور۔ ترکمان گیٹ دہلی ۶

آج جیسے ہی میں نے پیام تعلیم کا نیا رسالہ اپنے ہاتھ میں لیا تو میری خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ لیکن جب بچوں سے باتیں" کا کالم پڑھا تو مجھے دکھ کے علاوہ اور کچھ نہ مل پایا۔

خدا جناب ڈاکٹر اطہر پرویز مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین! ثم آمین۔

میں پیام تعلیم' آپ کا رسالہ کافی عرصے سے پڑھ رہا ہوں۔ ویسے میں کچھ ماہ پہلے تک پیام تعلیم کا خریدار تھا۔ لیکن امتحان سر پر آنے کی وجہ سے مجھے پیام تعلیم کی خریداری نمبر ختم کروانا پڑا (ختم کر دیا) ویسے میں نے داخلہ اور ہنٹل کالج پٹنہ میں لے لیا ہے۔ سبزی باغ پٹنہ سے میں اکثر ہر ماہ کا پیام تعلیم لے لیا کرتا ہوں۔

لیکن اب میں بہت جلد ہی پیام تعلیم کا خریدار بننے جا رہا ہوں۔

بچوں کی کوششیں میں ایس ڈی ہاشمی کی کہانی اور جاوید نہال کی کارٹونی کہانی بے حد پسند آئی۔

جناب محمد عرفان صاحب کی کہانی سچی خوشی بھی بے حد پسند آئی۔

سید شمس العارفین رضوی

پیام تعلیم دستیاب ہوا۔ خاص طور سے دو مضمون بہت پسند آئے۔ ایک پیسے کا کرشمہ، سپاہی راجا۔ انشاء اللہ میں آپ کے دو تین خریدار بنانے کی کوشش کروں گا۔

اعجاز احمد راہی برہانپور

اپریل ۸۴ کا شمارہ باصرہ نواز ہوا ایک ہی نشست میں پورا پڑھ گیا۔ پرچہ خوب تھا۔ مضامین اچھے تھے معراج شاہ کا "موم کا گڈا چلنے لگا" مزے کی چیز ہے، "دشمن کا علاج" نصیحت آمیز چیز ہے "پیسے کا کرشمہ" الف لیلہ سے ماخوذ ہے پھر بھی یہ کہانی پسند آئی۔ سچی خوشی بہترین کہانی ہے۔ قابل مبارکباد۔

ظفر احمد خاں

بیرواچندن پور کھوریا بازار ضلع گورکھپور

آپ کا ارسال کیا ہوا پرچہ ملا۔ پڑھ کر بے حد مسرت ہوئی تمام کہانیاں، نظمیں وغیرہ بہت اچھی ہیں۔ آپ نے میرا بھیجا ہوا مضمون شائع کیا لیکن ایک غلطی ہے جو نہ جانے مجھ سے ہوئی یا آپ سے وہ یہ ہے کہ رانی گنج کے بدلے ڈالی گنج چھپا ہے۔ میں ڈالی گنج میں نہیں بلکہ رانی گنج میں رہتا ہوں

محمد فردوس اطہر
۱۴ محمد علی روڈ رانی گنج

مئی کا پیام تعلیم وقت پر ملا۔ اس رسالے کو میں اول تا آخر بغور پڑھتا ہوں۔ یہ رسالہ میری تنہائیوں کا بہترین ساتھی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔ آمین۔

ریحان احمد
درگاپور کٹیہار

جوہرِ قابل

مولانا محمد علی جوہر
کی کہانی اور کارنامے
مسعود احمد برکاتی
قیمت -/۳

بچوں کی کوششیں

آپس میں اتحاد و اتفاق

ایک کسان کے کئی لڑکے تھے جو آپس میں ہمیشہ لڑا کرتے تھے۔ کسان انھیں بہت سمجھاتا مگر وہ نہیں مانتے۔ ایک مرتبہ کسان نے ایک تدبیر سوچی اور ان سب لڑکوں سے لکڑی کا ایک گٹھر لانے کو کہا۔ لڑکے ایک گٹھا لے آئے۔ اس نے ان لڑکوں سے اس گٹھے کی سب لکڑیوں کو ایک ساتھ توڑنے کو کہا۔ سبھوں نے باری باری کوشش کی مگر اس گٹھے کو کوئی نہ توڑ سکا۔ اب کسان نے اس گٹھے کی ایک ایک لکڑی ایک ایک لڑکے کو دے کر اسے توڑنے کا حکم دیا۔ لڑکوں نے فوراً ہی وہ لکڑی توڑ ڈالی۔ کسان نے ان لڑکوں سے پوچھا کہ "تم وہ گٹھا کیوں نہیں توڑ سکے تھے اور یہ لکڑی کیوں توڑ ڈالی"۔ لڑکوں نے جواب دیا کہ "گٹھے میں بہت سی لکڑیاں ایک دوسرے سے ملی ہوئی تھیں۔ اس لیے ہم نہیں توڑ سکے اور لکڑی تو اکیلی تھی۔ اس لیے آسانی سے ٹوٹ گئی"۔ اس پر کسان نے کہا "دیکھو اگر تم لوگ لکڑیوں کی طرح مل جل کر رہو گے تو کوئی بھی تمھیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا اور اگر الگ الگ رہو گے تو لکڑی کی طرح تمھیں آسانی سے نقصان پہنچایا جا سکے گا"۔ لڑکوں کی سمجھ میں یہ بات آ گئی اور انھوں نے ایک دوسرے سے لڑنا چھوڑ دیا۔

بلال احمد بن ابوالحسن

میری کتاب

میری اچھی کتاب اور پیاری کتاب
تو مری چاندنی ہے مرا آفتاب
روز پڑھتا ہوں میں دل لگا کر تجھے
اور رکھتا ہوں دل میں چھپا کر تجھے
تو نے علم و ادب کے خزانے دیے
کیسی تحریر کیسے ترانے دیے
عیش کے راستے پر چلاتی ہے تو
خوش نصیبی سے مجھ کو ملاتی ہے تو
مجھ کو منزل ملی تری تحریر میں
تیرے شعروں کی رنگین تصویر میں

محمد فردوس اطہر
۱۳ محمد علی روڈ رانی گنج۔ بردوان (بنگال)

بھٹکے ہوئے راہی

"میں نہیں چاہتا تھا کہ تمھیں کتے کی موت مار دوں انسپکٹر راکیش ——!" ڈاکو جوالا سنگھ نے رسیوں سے جکڑے ہوئے انسپکٹر راکیش سے بڑے ہی سفاکانہ لہجے میں کہا۔ "تم سرکاری ٹٹو ہو نا —— اس لیے سرکار کے وفادار بھی ہو —— لیکن تم یہ بھول گئے تھے کہ جو بھی جوالا سنگھ کے راستے میں روڑے اٹکاتا ہے جوالا سنگھ اس کی زندگی کو دہکتا ہوا جہنم بنا دیتا ہے۔ تم تو اپنی وفاداری نبھا چکے۔ میرے اڈے تک میرا پیچھا کرنے والے انسان —— تجھے تیری موت نے بلایا تھا۔ اب میں اپنا کام پورا کر دوں گا"۔ اتنا کہتے ہی اس نے اپنا ہنٹر والا ہاتھ بلند کیا "سڑاک" کی آواز کے ساتھ وہ ہنٹر انسپکٹر کی برہنہ چھاتی پر پڑا اور وہاں کی چمڑی اپنے ساتھ کھینچتا چلا آیا۔ انسپکٹر نے ایک کربناک چیخ ماری۔

"ہاہا...... ہا...... ہاہا......" جوالا سنگھ انسپکٹر کو تڑپتا دیکھ کر ہنسنے لگا "جب کسی کا گھر جلتا ہے تو مجھے بہت

خوشی ہوتی ہے ـــ آج کا دن تیری زندگی کا آخری دن ہے کل کے سورج کی کرنیں تیری لاش کو دیکھ رہی ہوں گی۔"

"نہیں ـــ نہیں۔ آہ۔ میری بیوی اور میرا رمیش ـــ نہ جانے کن حالات میں ہوں گے انھیں پتا ہی نہ ہو گا کہ اس وقت میرے اوپر کیا بیت رہی ہے۔ اُف" انسپکٹر بڑبڑایا۔

"چھی ـــ چھی ـــ دل چھوٹا نہ کرو پیارے" جوالا سنگھ نے زہریلے لہجے میں کہا تمہاری بیوی اور تمہارا وہ چھوکرا رمیش اس وقت یہیں ہیں۔ ہی ہی ـــ ہی ـــ ہے ہے۔"

"وہ ـــ وہ ـــ دونوں ـــ؟" انسپکٹر کے منہ سے خوف کی وجہ سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔

"خوب سمجھے ـــ اس وقت میری قید میں ہیں ـــ"

ابھی جوالا سنگھ نے جملہ پورا بھی نہ کیا تھا کہ ایک عورت بھاگی ہوئی آئی اور جوالا سنگھ کے پاؤں پر گر گئی یہ کامنی تھی انسپکٹر کی بیوی ـــ!

"انھیں چھوڑ دیجیے .... چھوڑ دیجیے۔"

"یہ یہاں کیسے پہنچ گئی۔"

ایک شخص بھاگتا ہوا آیا اور کہا کہ اس نے رام سنگھ کے ہاتھ پھر کاٹ کھایا ہے اور جو اسے پکڑے ہوئے تھا اور پھر یہاں آ گئی۔

"ٹھیک ہے۔ اس لڑکے کو بھی یہیں لے آؤ۔"

کچھ دیر بعد ایک آدمی ایک بارہ تیرہ سال کے لڑکے کو اپنے ساتھ لایا۔ وہ لڑکا پتاجی کہہ کر انسپکٹر کی طرف دوڑا۔ لیکن جوالا سنگھ نے اسے پکڑ لیا۔

"ہاہاہا ..... ہاہا ..... ہا .... باپو کے پاس جانا ہے۔ ہاہا" "مجھے چھوڑ دو مجھے چھوڑ دو ...." لڑکا چلا رہا تھا اور اپنے آپ کو اس دیو ہیکل سے چھڑانے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔

"انھیں میں نے اس لیے قید کیا ہے تاکہ یہ تیرا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ خوب۔ بہت اچھا خیال ہے ای سن کر دل خوش ہو گیا ہو گا۔"

"ہا .... ہاہا .... ہاہا ...." جوالا سنگھ نے بڑے گرجدار لہجے میں کہا

"حرامزادے میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا .... نہیں چھوڑوں گا۔"

"چلاؤ اور چلاؤ" جوالا سنگھ نے طیش میں کہا نکال لو اپنے دل کی بھڑاس۔"

"تم حرام خور .... تجھ جیسا کمینہ شخص میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھا"

"دیکھو گے بھی نہیں ـــ کیونکہ زندگی تو اب ختم ہونے والی ہے۔ چند منٹوں بعد تمہاری لاش خاک اور خون میں لوٹتی نظر آئے گی۔ اور ہاں زیادہ بڑبڑ مت کر۔ حرامزادے" جوالا سنگھ نے غصے سے کہا۔

رمیش جو ابھی تک جوالا سنگھ کی مضبوط باہوں میں جکڑا ہوا تھا۔ بولا "تم .... نے میرے پاپا کو کیوں پکڑ رکھا ہے ـــ؟"

"اسے ـــ ہاہا .... ہا ـــ اسے میں نے نمک حلال ہونے کے جرم میں پکڑ رکھا ہے۔ سمجھے ـــ!"

"انھوں نے کیا غلطی کی جس کی سزا تم ہم سب کو دے رہے ہو ـــ؟"

"ارے اس کی غلطی ـــ اس حرامزادے کی ایک غلطی ہو تو بتلاؤں ...."

"خبردار ـــ! جو تم نے میرے پاپا کو حرامزادہ کہا جب کہ کرتوتوں اور شکل سے تم حرامزادے ہو ـــ لوگوں سے لوٹا ہوا مال حرام کا نہیں تو اور کدھر سے آتا ہے۔"

"خاموش ـــ!!!" جوالا سنگھ دہاڑا۔ اس کے ساتھ ہی ایک زناٹے دار تھپڑ لڑکے کے گال پر پڑا۔ لڑکا چکرا کر زمین پر گر پڑا۔

جوالا سنگھ کا چہرہ غصے سے تمتما رہا تھا۔ اس کی

مٹھیاں بھنچی ہوئی تھیں اور ہونٹ غصّے کے باعث کانپ رہے تھے۔ اس کے چہرے پر کئی رنگ آ اور جا رہے تھے۔ اس کا ضمیر اسے ملامت کر رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا "میں لوگوں کو حرام زادہ کہنے والا۔۔۔۔ کیا ــــ میں نے کبھی اپنے کرتوتوں پر بھی نظر ڈالی ہے۔ بے قصور لوگوں کو قتل کرنا اور ان کا روپیا پیسا چھیننا یہ حرام کا راستہ ہی تو ہے۔ لوگ نہیں ــ میں حرام زادہ ہوں۔ میں نے بہت گھناونے جرم کیے ہیں جس کی تلافی مجھ سے نہ ہو سکے گی۔" آج ایک لڑکے نے اسے ایک ایسے دوراہے پر لا کھڑا کیا تھا جس سے ایک راستہ تاریکی اور دوسرا اجالے کی طرف جاتا ہے اب تک وہ تاریکی میں بھٹکتا رہا تھا۔ اور کتنے ہی گھر تھے جو اس نے اجاڑے تھے۔ پھول جو ابھی کھلنے بھی نہ پائے تھے جوالا سنگھ نے مسل دیے تھے اچانک وہ اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوا۔

"دوستو! تم نے ہر آڑے وقت میں میرا ساتھ دیا ہے اب میں اس دھندے کو چھوڑ رہا ہوں کیا کوئی شخص اس کام میں بھی میرا ساتھ دے گا؟"

ایک لمحہ کے لیے اس کے ساتھیوں پر سکوت چھا گیا پر جرنیل سنگھ اس کا جگری دوست تھا، بڑھا اور کہا "میں تمھارا ساتھ دوں گا"، اس کی دیکھا دیکھی سارے ڈاکوؤں نے ہامی بھر لی۔ کچھ دیر بعد چھوٹا سا قافلہ انسپکٹر راکیش اور اس کی بیوی بچے کے ہمراہ پولیس اسٹیشن کا رخ کر رہا تھا۔

محمد شکیل راوت
مکان ۳۹۵ محلہ کچا کوٹ مالیر کوٹلہ پنجاب

غرور کا انجام

بہت دنوں کی بات ہے۔ کسی گانو میں ایک سنار اور ایک بڑھئی دونوں رہتے تھے۔ سنار بہت غرور والا آدمی تھا۔ وہ بڑھئی سے بہت جلتا تھا۔ ایک دن کی بات ہے کہ بڑھئی اپنا کام کر رہا تھا۔ اچانک سنار وہاں پہنچ گیا پھر کچھ دیر تک کھڑا رہا۔ سنار نے اپنے دل میں سوچا لاؤ بڑھئی سے مقابلہ کیا جائے۔ بڑھئی تو ہم سے جیت نہیں سکتا۔ اس نے بڑھئی سے کہا تم سے اچھا سامان میں بناتا ہوں اس بات پر بڑھئی نے بھی کہہ دیا تم سے اچھا میں بناتا ہوں اس بات پر دونوں میں تو تو میں میں ہونے لگی۔ بہت دیر تک یہ سلسلہ جاری رہا اچانک وزیر وہاں پہنچ گیا اور وزیر نے ان دونوں سے پوچھا، کیا ہوا تو دونوں نے اپنا اپنا واقعہ بتایا۔ وزیر چپ چاپ سنتا رہا۔ وزیر کے سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ وہ سنار اور بڑھئی کو بادشاہ کے یہاں لے آیا اور وزیر نے سارا واقعہ بادشاہ کو سنایا۔ بادشاہ نے کہا "ہم ایسے فیصلہ کیسے کر سکتے ہیں جائیے آپ دونوں آدمی ایک ایک چیز بنا کے لائیے جب بنا کے لائیں گے تبھی ہم اس کا فیصلہ کر سکتے ہیں کہ آپ دونوں آدمیوں میں سے کون اچھا سامان بناتا ہے" بادشاہ کے کہنے پر دونوں واپس گھر گئے۔ سنار نے ایک سونے کی مچھلی بنائی اور بڑھئی نے ایک لکڑی کا گھوڑا بنایا۔ پھر دوسرے دن دونوں اپنی اپنی چیزیں لے کر بادشاہ کے ہاں گئے سب سے پہلے بادشاہ نے سنار کو بلایا اور اس سے کہا تم کیا چیز بنا کر لائے ہو سنار نے کہا۔ سب سے پہلے آپ ایک حوض بنوائیے تب ہم آپ کو اپنی چیز دکھائیں گے۔ بادشاہ نے سنار کے کہنے پر ایک حوض بنوایا پھر سنار نے اس میں پانی بھر کر مچھلی ڈالی اور مچھلی میں لگا بٹن دبا دیا دبانے کے ساتھ ہی مچھلی پانی میں تیرنے لگی۔ بادشاہ نے کہا "واقعی تم نے تو بہت اچھی چیز بنائی ہے۔" بادشاہ نے اس کو بہت شاباشی دی۔ پھر اس کے بعد بڑھئی کو بلایا کہ تم دکھاؤ۔ تم نے کیا چیز بنائی ہے بڑھئی نے لکڑی کا گھوڑا اس کے سامنے پیش کیا اور گھوڑے میں لگے ہوئے بٹن کی طرف اشارہ کر کے کہا اس کو دبانے سے گھوڑا اڑنے لگتا ہے بادشاہ نے کہا اس پر کون بیٹھ کر دکھائے گا۔ بادشاہ کے صرف ایک لڑکا تھا اور وہیں کھڑا ہو کر پورا ماجرا دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا ابّا جان میں اس گھوڑے پر بیٹھ کر دکھاؤں گا۔ پہلے تو بادشاہ نے اسے بہت منع کیا کہ تم مت بیٹھو لیکن وہ بادشاہ سے ضد کر بیٹھا۔ بیٹھنے کے بعد بٹن دبا دیا

گھوڑا اسے لے کر اڑ گیا سے نیچے آنے کا بٹن معلوم نہ تھا۔ چنانچہ وہ اڑتا رہا اڑتے اڑتے جب تھک گیا تو نیچے آنے کی ترکیب سوچنے لگا اچانک اس کا ہاتھ نیچے آنے والے بٹن پر پڑ گیا اور وہ نیچے اتر آیا وہ گھوڑے کے اوپر جانے اور نیچے آنے کے بٹن جان گیا۔ اس نے اپنے دل میں سوچا کہ ستار کی مچھلی سے یہ زیادہ بہتر ہے۔ جب وہ نیچے اترا تو اسے معلوم ہوا کہ یہ شہر میرا نہیں بلکہ یہ دوسرا گانو ہے اور شام بھی قریب تھی اس نے یہیں قیام کا ارادہ کر لیا۔ کچھ آگے بڑھا تو اسے ایک جھونپڑی نظر آئی وہ فوراً اس جھونپڑی کے پاس گیا اور دروازے پر کھڑے ہو کر چلایا اس میں سے ایک آدمی نکلا پوچھا کیا بات ہے بادشاہ کے لڑکے نے جواب دیا میں بہت دور کا رہنے والا ہوں اور آج میں یہیں سونا چاہتا ہوں۔ آدمی نے کہا ٹھیک ہے آئیے اندر جا کر کھانا کھایا پھر دونوں سونے گئے کچھ دیر کے بعد بہت تیز روشنی ہوئی۔ اس نے فوراً اس آدمی سے پوچھا یہ کیا بات ہے کیوں تیز روشنی ہو گئی۔ اس آدمی نے بتایا کہ بادشاہ کے صرف ایک لڑکی ہے وہ اسے بہت مانتا ہے اس نے اپنی لڑکی کو ایک انگوٹھی دی ہے وہ انگوٹھی رات میں بہت چمکتی ہے بادشاہ کی لڑکی جب محل میں سونے جاتی ہے۔ تب پورے گانو میں روشنی ہو جاتی ہے اس نے کہا اچھا یہ بات ہے بادشاہ کے لڑکے نے سنتے ہی فوراً اپنا گھوڑا اٹھایا اور بیٹھ کر بٹن دبایا اور شہزادی کے محل میں پہنچ گیا۔ چپکے سے اس نے اس کی انگوٹھی نکال کر اپنے ہاتھ میں پہن لی اور اپنی والی انگوٹھی اسے پہنا دی پھر گھوڑے پر بیٹھ کر بٹن دبایا اور چلا گیا۔ جب صبح بادشاہ کو معلوم ہوا کہ شہزادی کی انگوٹھی غائب ہو گئی ہے فوراً اسے دوسری انگوٹھی پہنا دی۔ وزیر سے کہا کہ کوئی ترکیب کرو اس چور کو پکڑ کر میرے پاس لاؤ وزیر کچھ دیر خاموش رہا پھر کہا بادشاہ سلامت ایک ترکیب سمجھ میں آگئی، بادشاہ نے کہا کون سی ترکیب اس نے کہا چاروں طرف گڑھا کھدوا کر اس میں گاڑھا رنگ بھروا دیجیے۔ جو کل آیا تھا اسے یہ معلوم نہ ہوگا کہ یہاں گڑھا ہے اور وہ اس میں گر جائے گا اور رنگ پھر نکلے گا نہیں اور چور پکڑ جائے گا۔ بادشاہ نے کہا ٹھیک ہے بادشاہ نے گڑھا کھدوا کر اس میں رنگ بھروا دیا۔ دوسرے دن بادشاہ کا لڑکا پھر انگوٹھی لینے آیا تو اسی رنگ میں گر پڑا فوراً اٹھ کر بھاگا کچھ دور جانے کے بعد دھوبی ملا بادشاہ کے لڑکے نے کہا اگر تم یہ میرا داغ صاف کر دو گے تو میں تمھیں دس اشرفیاں دوں گا۔ دھوبی نے کہا ٹھیک ہے میں صاف کر دوں گا اور وہ وہاں سے چلا گیا۔ ادھر بادشاہ اور وزیر دونوں اس کی تلاش میں نکلے۔ دھوبی نے وہ کپڑے دھو کر اپنے لڑکے کو پہنا دیا وہ اپنے لڑکے کو لے کر بارات میں جا رہا تھا کہ اچانک وزیر نے دیکھا۔ وزیر رنگ سے اسے پہچان گیا اور کہا کہ بادشاہ سلامت یہ چور ہے پکڑا گیا۔ بادشاہ نے کہا اس کو پکڑو اور اس سے پوچھو کہ یہ رنگ کہاں سے لگا اس نے جواب دیا بادشاہ سلامت میں دھوبی ہوں۔ اور یہ کپڑا مجھے ایک لڑکے نے دھونے کو دیا تھا میں چور نہیں بادشاہ نے کہا اچھا تم چور نہیں ہو تو تم اس لڑکے کو پکڑ کے لاؤ دھوبی نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ دوسرے دن لڑکا دھوبی کے پاس گیا اور اس سے پوچھا کہ داغ چھوٹ گیا ہے تو دھوبی نے کہا ہاں چھوٹ گیا ہے چلیے میں آپ کو آپ کا کپڑا دوں۔ اس بہانے دھوبی لڑکے کو بادشاہ کے پاس لے گیا اور بتا دیا کہ یہ کپڑا اس لڑکے کا ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ یہ کپڑا تمھارا ہے اس لڑکے نے کہا جی۔ بادشاہ نے کہا اس لڑکے کو پھانسی دے دو۔ اور پھانسی لگانے سے پہلے اسے پورے بازار میں گھما دو اور جو کچھ کہے اور اسے کھلا دو۔ وزیر اور جلاد دونوں نے اسے ہتھکڑی لگائی اور اسے بازار میں لائے اور پوچھا آم کھاؤ گے بادشاہ کے لڑکے نے کہا نہیں پھر وزیر نے کہا مٹھائی کھاؤ گے اس نے جواب دیا نہیں اسی طرح وزیر نے کئی چیزیں پوچھیں اس نے کوئی چیز کھانے سے

منع کر دیا ... وہ اپنا گھوڑا املی کے پیڑ پر لٹکا کے آیا تھا وزیر نے کہا یہ کیسا بے وقوف لڑکا ہے کچھ نہیں کھاتا۔ جاتے جاتے املی کے پیڑ کے پاس پہنچ گئے وزیر نے کہا املی کھاؤ گے لڑکے نے جواب دیا جی۔ جلاد نے کہا ٹھیک ہم اوپر چڑھ کر گراتے ہیں تم نیچے بیٹھ کر کھاؤ لڑکے نے جواب دیا نہیں میں خود سے توڑ کر کھاؤں گا وزیر جلاد اسے اوپر لے کر چڑھ گئے وہ اوپر گیا اور اپنے گھوڑے پر بیٹھ کر بٹن دبا دیا۔ وہ گھوڑا اسے کر اڑنے لگا۔ وزیر اور جلاد رسی پکڑے لٹکے رہ گئے۔ کچھ دیر کے بعد دونوں نے چھوڑ دیا۔ گر پڑے اور گرتے ہی مر گئے۔ بادشاہ کا لڑکا اپنے گھر گیا۔ بادشاہ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ لڑکے نے جاتے ہی سنار کو بلایا سنار سمجھا کہ شاید پہلی اور بنوائیں وہ جیسے ہی لڑکے کے پاس گیا اسے اس نے جیل میں بند کر دیا اور بڑھئی کو جیل سے نکال دیا۔ بادشاہ نے پوچھا تو لڑکے نے بتایا اس گھوڑے نے میری جان بچائی ہے یہ کہہ کر پورا واقعہ سنایا اور بڑھئی کو انعام دے کر واپس کر دیا پھر بڑھئی آرام سے رہنے لگا۔

محمد عارف پھولپور

کوئل

کوئل کی آواز نرالی
گھوم گھوم کر ڈالی ڈالی

پھدک پھدک کر یہ متوالی
پیدا کرتی دھنیں نرالی

بچوں کے دل کو بہلاتی
کوکو کی ہے مشق کراتی

اک دم بچے رٹ ہیں لگاتے
کوئل کو اپنے پاس بلاتے

پیار سے بچوں کو سہلاتی
لوگوں کے دل بھی بہلاتی

محمد امتیاز انصاری اول
الیسٹ آزاد نگر۔ گوسوں ضلع دھنباد

کام کرو کچھ نام کرو

کام کرو کچھ نام کرو
صبح کرو، یوں شام کرو

میٹھی بولی بول کے بچو
غیروں کو بھی رام کرو

صبح سویرے اٹھ کر بچو
اپنا اپنا کام کرو

محنت سے جیون ہے روشن
اس خوبی کو عام کرو

سورج، چاند یہی کہتے ہیں
کام کرو، آرام کرو

محمد اقبال سندیلوی
ڈاکٹر ذاکر حسین لائبریری جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵

دوستوں میں ندامت

قاضی، مرزا اور میر جی تینوں میں نہایت دوستی تھی۔ قاضی ہمیشہ دن کے اجالے اور شام گئے مرزا اور میر جی کے گھر جا دھمکتے۔ وہاں سے تینوں سیر و تفریح کے لیے جاتے۔ پروگرام بنتے۔ کھانے کی دعوتیں ہوتیں۔ لیکن قاضی صاحب نے کبھی اپنے گھر ان دوستوں کو نہ بلایا۔ نہ ان دوستوں کو کبھی اپنے گھر آنے کا موقع دیا۔ کیوں کہ یہ ان کے گھر پہلے ہی پہنچ جاتے تھے۔ قاضی صاحب کی دو بیویاں تھیں وہ بڑے رنگین مزاج اور خوش دل آدمی تھے اس لیے آپ نے اور شادی کر ڈالی۔ اب کی مرتبہ جب قاضی صاحب محفل میں بیٹھے تو میر صاحب نے چھیڑ ہی دیا۔ یار آپ تو ہمیں اپنے گھر کبھی نہیں لے گئے۔ اب ہم آپ کے گھر ہی کھانا کھائیں گے۔ وہ بہت ٹال مٹول کرتے رہے۔ زیادہ اصرار پر تیار ہو گئے اور کھانے کی دعوت دے کر گھر چلے آئے۔ اور بیویوں سے کہا آپ اچھا کھانا تیار کریں۔ اور کھانا دیوان خانے میں لگا کر ایک کمرے میں بیٹھ جائیں میرے دوستوں کے واپس لوٹنے تک کوئی بھی بات چیت

نہ کریں، میر صاحب اور مرزا کھانا کھانے کے لیے آ گئے۔ کھانا شروع ہو گیا اتفاق سے کمرہ میں چوہا آیا۔

پہلی بیوی نے کہا!
بادی بادی چوا چوا
دوسری کہا!
کیدھر ہے کیدھر ہے
تیسری نے کہا!
وہ دیا وہ دبا

یہ سنتا تھا دیوان خانے میں ہنسی کا شور مچ گیا۔ قاضی صاحب شرمندہ ہوئے اور کہا یارو! بھائیو، اسی ندامت کے لیے ہی میں آپ کو اپنے گھر نہیں لاتا تھا اور باہر ہی خاطر تواضع کرتا رہا ہوں۔

نظیر احمد خاں،
درجہ ششم کلگاؤں ایوت محل

راجا اور قیدی

ایک دن ایک راجا جیل دیکھنے گیا، جیل کے دروازے پر ایسے پانچ قیدی کام کر رہے تھے جن کے پیروں میں بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں۔ راجا نے ان سے پوچھا تم یہاں کیوں بھیجے گئے۔ تم نے کیا قصور کیا تھا۔ پہلے قیدی نے کہا" مہاراج میں نے کوئی قصور نہیں کیا۔ تھانیدار سے اور مجھ سے دشمنی تھی اس نے میرے اوپر بلا کسی قصور کے مقدمہ چلا دیا اور مجسٹریٹ نے سزا کر دی اس لیے مجھے یہاں آنا پڑا۔"

راجا نے دوسرے قیدی سے پوچھا اور تم کیسے بھیجے گئے؟ دوسرے قیدی نے کہا، حضور میں نے کوئی قصور نہیں کیا ہمارے گاؤں میں چوری ہو گئی تھی پولیس نے جھوٹ موٹ کو شک کیا اور سزا دلا دی۔"

راجا نے تیسرے قیدی سے پوچھا۔ تمہارا آنا کیسے ہوا؟ اس نے کہا" سرکار میرا کچھ قصور نہیں ہے، میرے خلاف ایک آدمی نے جھوٹی گواہی دی تھی حاکم نے اس آدمی کی بات کا یقین کر لیا اور مجھے قید خانے بھیج دیا۔"

راجا نے چوتھے قیدی سے پوچھا" اور تم" اس نے کہا" مہاراج! میں کیا کہوں یہ میرے برے دنوں کا قصور ہے، میرا نہیں۔ جج صاحب نے میرے معاملے کو بغیر جانچ کیے ہی مجھے سزا دے دی۔"

چاروں قیدیوں نے اسی طرح کے بہانے کر کے راجا سے چھٹکارے کی منت کی۔ راجا مسکرایا اور پانچویں قیدیوں کی طرف گھوم کر فرمایا۔" کیا تم نے بھی کوئی قصور نہیں کیا۔"

پانچویں قیدی نے اپنا سر نیچا کر لیا اور گڑگڑا کر کہا " حضور میں بے قصور نہیں ہوں۔ میں نے جو کچھ کیا ہے اس کا پھل پا رہا ہوں۔ میں نے اپنے مہاجن کے گھر چوری کی تھی۔ پولیس نے مجھے پکڑ لیا اور حاکم نے سزا کر دی۔ میرا منہ اس لائق نہیں ہے کہ میں آپ سے مہربانی کرنے کو کہوں۔"

راجا نے جیلر کو حکم دیا کہ اس آدمی کی بیڑیاں کھول دو اور اسے چھوڑ دو، اس نے ان چار قیدیوں کی طرح جھوٹ بول کر اپنے قصور کو دونا نہیں کیا۔ یہ سچ بولتا ہے۔" اور راجا نے باقی چار قیدیوں کی سزا اور بڑھا دی۔

محمد فردوس اطہر
معرفت تاج ہومیو سنٹر ۱۴۱ محمد علی روڈ رانی گنج
(بردوان)

سلامہ اور صمصامہ — رشید الوحیدی
سلامہ ایک نیک سیرت پری تھی۔ ایک دن وہ بادشاہ کے ظلم کا شکار بنی۔ جنوں کی ملکہ صمصامہ نے اس کی مدد کی — کس طرح؟ — یہ تو کتاب پڑھنے کے بعد ہی پتا چلے گا۔
قیمت ۴/۵۰

موٹو اور چھوٹو
کہانی اور تصاویر: جاوید نہال حشمی
چھوٹو، پچھلے دنوں میں نے کافی ورزش کی تھی تاکہ موٹاپا کم ہو سکے اور وزن بھی کچھ گھٹ جائے — وہ سامنے دیکھو، کیوں نہ ہم دونوں خود کو وہاں وزن کر لیں۔ آخر دیکھوں تو سہی کتنا وزن گھٹ سکا ہے۔ کیا خیال ہے۔
خیال برا نہیں!!
صرف دس پیسے میں، جلدی آؤ موٹو۔
نہیں، پہلے تم —!!
آپ کا وزن تو بہت کم ہے جناب، صرف چوبیس کلوگرام۔!
کوئی بات نہیں چلو موٹو، اب تم آؤ
مجھے یقین ہے میرا وزن ضرور گھٹ گیا ہوگا۔
سنئے جناب، اب آپ کو پورے پانچ سو روپے دینے پڑیں گے۔
وہ کیسے —؟؟
مشین کا دام جناب! اشارے کی سوئی اپنی آخری حد کو بھی پار کر چکی ہے اور مشین ٹوٹ کر بالکل ہی بیکار ہو گئی ہے!
کک... کیا؟؟!

دفتر پیام تعلیم میں
حل وصول ہونے کی
آخری تاریخ
30 ر جولائی ۱۹۸۴ء

پیامی ادبی معمّانمبر 8

150 روپے کے نقد انعامات

نیس داخلہ کچھ نہیں
آپ جتنے حل چاہیں
بھیج سکتے ہیں لیکن ہر
حل کے ساتھ ایک
ٹوکن آنا ضروری ہے۔

پہلا انعام : بالکل صحیح حل پر مبلغ 100 روپے دوسرا انعام : ایک غلطی والے حل پر مبلغ 50 روپے

تفصیل لکھنے کی ضرورت نہیں، جو لفظ آپ صحیح سمجھتے ہوں صرف اُسے ہی نمبر وار لکھیے۔

۱- ـــــ کی خرابی تمام جسم کی صحت کو خراب کر دیتی ہے۔ (دانتوں / پیٹ)
۲- پھر ـــــ ترقی کرتے کرتے امیر البحری کے عہدے پر پہنچا۔ (رفتہ رفتہ / آہستہ آہستہ)
۳- موتی نے نانی اماں کو سارا ـــــ سنایا۔ (واقعہ / قصّہ)
۴- طریقہ یہ ہے کہ وہ اللہ کی ـــــ کرے۔ (عبادت / اطاعت)
۵- لکھنؤ کی شاعری کے خلاف ایک ـــــ تھا۔ (اعلان / جہاد)
۶- بہادر وہ جو غصّے کے وقت اپنے آپ کو ـــــ لیتا ہے۔ (سنبھال / روک)
۷- میں ـــــ کی بات کر رہا ہوں اور تو زبان چلاتی ہے۔ (قاعدے / ایمان)
۸- اور جو مال ـــــ کے مفت ملتا ہے، اُڑا دیتا ہے۔ (بلا مشقت / بلا محنت)

ادھر اُدھر بھٹکنے کی ضرورت نہیں۔ صحیح جواب صفحہ ۳۵ کی کتابوں میں ملے گا

شرائط پیامی ادبی معمّا: (۱) فیس داخلہ کچھ نہیں۔ البتہ ہر حل کے ساتھ چھپا ہوا پیامی ادبی معمّا کا ٹوکن آنا لازمی ہے۔ (۲) حل روشنائی سے صاف ستھرا لکھا ہونا چاہیے۔ مشکوک یا کٹے پھٹے حل قابلِ قبول نہ ہوں گے۔ (۳) اگر کسی انعام کے مستحق ایک سے زیادہ پیامی ہوں گے تو انعام برابر برابر تقسیم کر دیا جائے گا۔ (۴) ایک پیامی کو ایک ہی انعام یا اس کا ایک ہی حصّہ دیا جائے گا۔ بڑے انعام کو چھوٹے انعام پر ترجیح دی جائے گی۔ (۵) معمے کے متعلق تمام معاملات میں اڈیٹر پیام تعلیم کا فیصلہ آخری اور قابلِ قبول ہوگا۔

اپنے حل اس پتے پر بھیجیے:
پیامی ادبی معمّا نمبر 8 ماہنامہ پیامِ تعلیم۔ جامعہ نگر۔ نئی دلی ۲۵

ٹوکن پیامی ادبی معمّا نمبر 8

میں اڈیٹر پیام تعلیم کے فیصلے سے متفق ہوں۔

نام ....

پتا ....

اِدھر اُدھر بھٹکنے کی ضرورت نہیں

پیامی ادبی معمّا نمبر ۸ کا صحیح جواب
ذیل کی کتابوں میں ہی ملے گا

اللہ کے صوفی	خلیل احمد جامی	۲/۰۰
حضرت نظام الدین اولیا	ادارہ	۲/۰۰
اسلام کے مشہور امیرالبحر	عبدالواحد سندھی	۴/۵۰
سُرخ جوتے	قدسیہ زیدی	۳/۰۰
بچوں کے اقبال	اطہر پرویز	۴/۵۰
میر انیس	محمد حسین حسّان	۲/۰۰
ہمارے رسول	خواجہ عبدالحیٔ فاروقی	۳/۰۰
کہاوت اور کہانی	ڈاکٹر سیفی پریمی	۶/۰۰
دادا نہرو	منور لکھنوی	۵/۰۰
دس جنتی	الیاس احمد مجیبی	۴/۵۰
چٹانوں کی کہانی	محمد امین	۳/۵۰
لال مرغی	عبدالواحد سندھی	۱/۵۰
لومڑی کا گھر	؍؍	۱/۵۰
خربوزہ شہزادے کا سر بن گیا	کوثر بانو	۱/۵۰
خرگوش کا سپنا	کرشن چندر	۵/۰۰
جلو مرغابی	قیصر حسین زیدی	۳/۰۰
گلابو چوہیا اور غبارے	ترجمہ: قدسیہ زیدی	۱/۵۰
شرارت	محمد حسین حسّان	۲/۰۰
بابا ناصح	ڈاکٹر رشید الوحیدی	۲/۰۰
سلامہ اور صمصامہ	؍؍	۴/۵۰
صحت کے ۹۹ نکتے	مسعود احمد برکاتی	۱/۵۰

کتابیں حاصل کرنے کے پتے:

۱۔ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ جامعہ نگر۔ نئی دلی ۲۵
۲۔ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ اُردو بازار۔ دہلی ۶
۳۔ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ پرنسس بلڈنگ۔ بمبئی ۳
۴۔ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ یونیورسٹی مارکیٹ۔ علی گڑھ ۲

پیامی ادبی معمّے ۶ کا شاندار نتیجہ

صحیح حل (۱) خدا۔ اسلام کیسے شروع ہوا ص۶۷ (۲) مشورہ۔ اسلام کیسے شروع ہوا ص۱۱۱ (۳) معمّر۔ شفیع الدین نیّر ص۱۲ (۴) گھوڑے۔ اسلام کے مشہور سپہ سالار۔ دوم ص۴۷ (۵) شوہر۔ خربوزہ شہزادے کا سر بن گیا ص۱۷ (۶) بوریوں۔ خرگوش کا سپنا ص۲۴ (۷) کیڑا۔ چٹانوں کی کہانی ص۲۲ (۸) نہانے۔ لال مرغی ص۲۳

صحیح حل پر پہلا انعام حاصل کرنے والے ۶ خوش نصیب فی کس دس روپے تقسیم کیے گئے

(۱) خلیق احمد۔ روم نمبر ۴۳۹ - A وِنگ منسٹری آف لا لیجسلیٹو ڈپارٹمنٹ شاستری بھون۔ نئی دہلی
(۲) محمد ہارون حاجی عبدالرشید۔ مانا تعلقہ مرتضیٰ پور۔ ضلع آکولہ
(۳) رعنا خلیل مکان نمبر ۱۳۵۰ پہاڑی املی مٹیا محل۔ دہلی ۶
(۴) سیّدہ عشرت فاطمہ ؍؍ ؍؍ ؍؍
(۵) عاصمہ خاتون ؍؍ ؍؍ ؍؍
(۶) شائستہ خلیل۔ ؍؍ ؍؍ ؍؍

ایک غلطی پر دوسرا انعام حاصل کرنے والے ۸ خوش نصیب فی کس پانچ روپے تقسیم کیے گئے

(۱) روبینہ عبدالکریم۔ گھانس بازار۔ کلیان (۲) سہیل ارشد نمبر ۱۲ کالونی اندل۔ اندل۔ ضلع بردوان (۳) تابندہ ۴۶۷ گلی گھنٹے والی۔ پہاڑی بھوجلہ۔ دہلی (۴) محمد شفیع انجم ولد عبدالرشید۔ منشی شعبان نگر۔ نمبر ۴ گلی مالیگاؤں (۵) زیڈ احمد شیخ ۱۵۷/۱، پائپ روڈ کرلا۔ بمبئی (۶) عبدالعزیز دین محمد انصاری فیت کی چال۔ عمر رجب روڈ۔ مدنپورہ بمبئی (۷) سعید احمد رضوان گورنمنٹ اردو ہائر پرائمری اسکول آنیکل۔ بنگلور (۸) ابرار علی خاں فلاور کالج۔ باغ بانو۔ پٹنہ۔

مرتبہ: موثق الدین

اِدھر اُدھر سے

دنیا کی سب سے قدیم یونیورسٹی الازہر

قاہرہ ۲۰ر مارچ۔ دنیا کی سب سے قدیم یونیورسٹی جامعۃ الازہر کی ایک ہزارویں سالگرہ کی تقریبات یوم الجمعہ کو یہاں اس جگہ شروع ہوئیں جہاں پہلے پہل درس وتدریس کا سلسلہ شروع ہوا تھا۔ یہ یونیورسٹی ایک جامع مسجد میں شروع کی گئی تھی اور مصر میں فاطمیوں کا عہد تھا آج اس یونیورسٹی میں دنیا بھر سے تقریباً پانچ ہزار طلبۂ اسلام کے بنیادی ارکان کا علم حاصل کرتے ہیں اور ان طالب علموں میں افریقہ اور ایشیا کے ممالک کے بھی بہت سے طالب علم شامل ہوتے ہیں۔

جامعۃ الازہر کی ایک ہزارویں سالگرہ کی تقریبات میں مصر کے صدر حسنی مبارک نے بھی شرکت کی۔

پانچ ٹانگوں والا عجیب الخلقت بھکاری

الہ آباد۔ ۲۵ر دسمبر۔ یہاں تفضل نامی ایک ایسا بھکاری دیکھا گیا ہے جس کی دو عام ٹانگوں کے علاوہ تین اور چھوٹی ٹانگیں بھی ہیں، جو اس کے پیٹ سے باہر نکلی ہیں۔ ان میں سے ایک ٹانگ کافی بڑی اور موٹی ہے جسے یہ شخص اپنے کندھے پر رکھے ہوئے ہے۔ دوسری بہت وزنی اور گول شکل میں ہے جسے تفضل کو دونوں ہاتھوں سے تھامنا پڑتا ہے تیسری ٹانگ بہت چھوٹی اور پتلی سی ان دونوں کے درمیان سے نکلی ہوئی ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ تفضل آسام کا باشندہ ہے جب وہاں حالیہ ہنگامے شروع ہوئے تو وہ آسام سے بھاگ کر الہ آباد آگیا اور یہاں گداگری کا دھندا شروع کر دیا۔

یہ پانچ خوش قسمت بچے، شالنی سکسینہ (۱۳)۔ رینو (۱۳) سونا اگام شرن پٹیل (۱۲) بیجو پریدار۔ (۱۲) اور ایس روی چندر راو (۱۲) ہیں جنھیں پینٹنگ کے مقابلے میں سوویت نہرو اوارڈ ملا ہے۔ یہ بچے ایک مہینے کی سیر کے لیے روس گئے ہیں۔

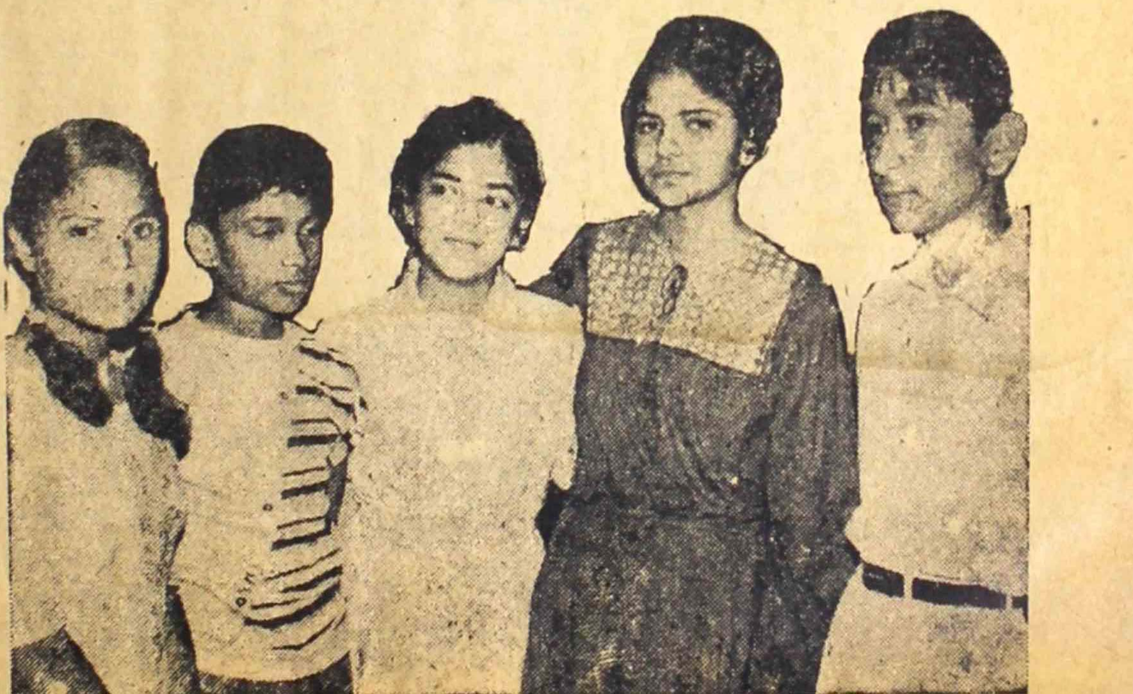

بچوں کے لیے عبدالواحد سندھی جامعی کی کتابیں

پان کھاکر، طبلہ بجاکر رام ناچا
ایک مزے دار کہانی
جو خاص طور سے چھوٹے بچوں کے
لیے لکھی گئی ہے
قیمت : ۱/۵۰

پھر میں چگوں کیا خاک
نہایت آسان زبان میں
چھوٹے بچوں کے لیے
ایک کہانی
قیمت : ۱/۵۰

...ونا دن تا کے سے
چھوٹے بچوں کے لیے
...ٹے چھوٹے جملوں میں لکھی گئی
مزے دار کہانی
قیمت : ۱/۵۰

پکڑ دُم کتے کو
ایک گدھے نے شیر کو بھگا دیا۔
بڑی دلچسپ کہانی ہے۔ چھوٹے
بچوں کے لیے۔ قیمت ۱/۵۰

ہتو جیتو
یہ کہانی بھی چھوٹے بچوں
کے لیے لکھی گئی ہے، انھیں
کی زبان میں۔ قیمت: ۱/۵۰

پانچ بونے
پانچ کام چور بونوں
کی کہانی چھوٹے بچوں کے
لیے۔ قیمت: ۱/۵۰

...ی کس نے پکائی
...ٹے بچوں کے لیے انھی
...بان میں ایک دلچسپ
... قیمت: ۲/۵۰

بی بینڈکی اور کوا
چھوٹے بچوں کے لیے
آسان زبان میں لکھی
گئی ایک دلچسپ کہانی
قیمت: ۱/۵۰

جادو کا گھر
چھوٹے بچوں کے لیے آسان زبان
میں لکھی گئی ایک مزے دار
کہانی۔ قیمت ۱/۵۰

چیونٹی رانی
کہانی کی کہانی اور معلومات
کی معلومات۔
قیمت ۱/۵۰

...بچوں کی کہانیاں
ایک کتاب اور
سب کہانیاں سچی۔ سب
کی سب مزے دار
قیمت: ۱/۵۰

مدو رانا پردیس چلے
مگر کیسے چلے؟ اور راستے میں کیا
کیا ہوا، یہ تو پڑھنے
سے ہی پتا چلے گا۔
قیمت : ۱/۵۰

ٹوم ٹی کا گھر
قیمت: ۱/۵۰

بندر اور نانی

دہلی ۶
بمبئی ۳
علی گڑھ ۱
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ
جامعہ نگر۔ نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

Licence No. U(SE)-021 to Post without pre-payment of postage
Regd. No. D(SE)-043 June, 1984

Payam-I-Taleem

NEW DELHI-110025

بچوں کی مذہبی کتابیں

ہمارا دین (اول، دوم، سوم)	سید شہاب الدین دسنوی (فی حصہ)	۶/۰۰
اسلام کے مشہور سپہ سالار (اول، دوم)	عبدالواحد سندھی (فی حصہ)	۴/۰۰
اسلام کے مشہور امیر البحر	" "	۴/۵۰
اسلام کیسے پھیلا؟ (اول، دوم)	" " (فی حصہ)	۴/۵۰
قرآن پاک کیا ہے؟	" "	۳/۰۰
اسلام کیسے شروع ہوا؟	" "	۴/۵۰
رسولِ پاک	" "	۲/۵۰
اللہ کا گھر	خلیل احمد جامعی	۲/۰۰
رسولِ پاک کے اخلاق	" "	۲/۰۰
اللہ کے خلیل	" "	۲/۵۰
تحسین القرآن	تالیف: خدیجہ سیدنا طاہر سیف الدین	۴/۵۰
منہاج القرآن	" "	۴/۵۰
ارکان اسلام	مو[illegible] اسلم جیراجپوری	۱/۵۰
عقائدِ اسلام	" "	۱/۵۰
چار یار	الیاس احمد مجیبی	[illegible]
آں حضرتؐ	" "	۱/۵۰
خلفائے اربعہ	خواجہ عبدالحئی فاروقی	۲/۷۵
نبیوں کے قصے	" "	۲/۲۵
ہمارے رسولؐ	" "	۲/۰۰
مسلمان بیبیاں	اعجاز الحق قدوسی	۲/۰۰
ہمارے نبیؐ	سید نواب علی	۱/۵۰
سرکارِ دو عالم	محمد حسین حسان	۲/۰۰

لبرٹی آرٹ پریس (پروپرائٹرز مکتبہ جامعہ لمیٹڈ) پٹودی ہاؤس۔ دریا گنج۔ دہلی ۲